وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

ماہنامہ — لاہور

میثاق

ربیع الاوّل ۱۴۰۲ھ
مطابق
جنوری ۱۹۸۲ء

-: مدیر مسئول :-

ڈاکٹر اسرار احمد

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت : ۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور ۱۴ - فون : ۸۵۴۶۱۱ ، ۸۵۲۶۸۳

سالانہ زر تعاون -/۳۰ روپے ——— فی شمارہ قیمت -/۳

وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۳۱ { ربیع الاول ۱۴۰۲ھ (جنوری ۱۹۸۲ء) } عدد ۱

مشمولات

۱- عرضِ احوال ——— اسرار احمد ۱

۲- سلسلۂ تقاریر رسُول کامل ﷺ ——— " "

(۱) نبوّت و رسالت اور اس کا مقصد ۹

(۲) تاریخِ نبوّت ۱۵

(۳) ختمِ نبوّت اور اس کے لوازم ۲۱

(۴) حیاتِ نبوی قبل از آغازِ وحی ۲۹

۳- سلسلۂ تقاریر "الکتاب" ——— " " ۳۷

۴- تعزیت کا اسلامی طریقہ ——— محمد یونس جنجوعہ ۴۵

۵- جنوبی ہند میں پندرہ دن (۶) ——— قاضی عبدالقادر ۴۹

۶- تقریظ بر خطباتِ مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم ——— اسرار احمد ۶۷

۷- مکتوبِ گرامی، ڈاکٹر شیر بہادر خان پنّی ——— ۷۱

۸- وفاقی مجلسِ شوریٰ میں شمولیت ——— اسرار احمد ۷۲

★

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد طابع: چوہدری رشید احمد

مطبع: مکتبہ جدید پریس - شارع فاطمہ جناح، لاہور

اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

'میثاق' کا پیش نظر شمارہ جس سے اس کی اکتیسویں جلد کا آغاز ہو رہا ہے ماہِ ربیع الاوّل سن ۱۴۰۲ھ کے اوائل میں قارئین تک پہنچے گا ۔۔ اسی مناسبت سے اس میں راقم کی ان بارہ تقاریر میں سے پہلی چار شائع کی جا رہی ہیں جو گذشتہ سال یکم تا ۱۲ ربیع الاوّل پاکستان ٹیلی ویژن سے "رسولِ کامل" صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے ٹیلی کاسٹ ہوئی تھیں، بقیہ تقاریر ان شاء اللہ آئندہ دو اشاعتوں میں شائع کر دی جائیں گی۔

گذشتہ سال ان ایام میں راقم نے مرکزی میلاد کمیٹی مدراس کی دعوت پر برادرم قاضی عبدالقادر صاحب کی معیت میں جنوبی ہند کا سفر کیا تھا اور اس کے دوران مدراس میں ۷ تا ۱۲ ربیع الاوّل چھ لیکچر زسیرۃ النبیؐ کے موضوع پر دیئے تھے۔ قاضی صاحب کے قلم سے اس سفر کی مفصل رپوتاژ کی پانچ قسطیں "میثاق" میں گذشتہ سال کے دوران شائع ہو چکی ہیں اور چھٹی اور آخری قسط اس شمارے میں شامل ہے - قارئین 'میثاق' کے لئے یہ بات یقیناً بہت تعجب کی موجب ہو گی کہ راقم الحروف نے آج تک اس روداد کا ایک حرف بھی نہیں پڑھا اور ان سطور کی تحریر کے وقت تک بھی صرف وہی قسط پڑھی ہے جو اس شمارے میں شامل ہے - اس لئے کہ پرچہ بھائی جمیل الرحمٰن صاحب مرتب کرتے رہے ہیں اور میں بنیادی طور پر 'ان پڑھ' انسان ہوں (اور اپنی اس نسبتِ "امیت" پر مجھے فخر بھی ہے!) ۔۔۔ اب ہر لکھنے والے کا ایک انداز ہوتا ہے جو ضروری نہیں کہ سب ہی کو پسند ہو - چنانچہ اس رپوتاژ کے بارے میں بھی جہاں تعریف وتحسین سننے اور پڑھنے میں آئی وہاں تنقید و اعتراض بھی علم میں آیا - چنانچہ اگست و ستمبر ۸۱ء کے مشترکہ شمارے کے "عرضِ احوال" میں راقم نے مختصراً -

ذکر کر دیا تھا کہ "بعض حضرات نے اس روداد کی طوالت اور غیر ضروری تفاصیل کی بجا طور پر شکایت کی ہے" اور خود بھی اسے "قدرے ضرورت سے زیادہ مفصّل" قرار دیا تھا۔

لیکن ایک شکایت نامہ جو ہمیں جناب ابن عبدالقدوس صاحب سیکرٹری جامع مسجد پیری میٹ مدراس کی جانب سے موصول ہوا ہے اُس سے معلوم ہوا کہ اس رپورتاژ میں کچھ جملے ایسے بھی شائع ہو گئے ہیں جس سے دارالعلوم دیوبند اور اس سے منسلک علماء کرام کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ مراجعت پر معلوم ہوا کہ شکایت صدفی صد درست ہے۔ ہمیں اس کا شدید افسوس ہے اور ہم اُس پر بلا کسی حیل و حجت کے معذرت خواہ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند برّصغیر پاک و ہند ہی نہیں پورے عالم اسلام کی قیمتی متاع ہے اور اکابر دیوبند کے احسان کے بوجھ سے کم از کم مسلمانانِ پاک و ہند تو کبھی سبکدوش ہو ہی نہیں سکتے۔ ہمارے دل میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے اور اگرچہ فی الوقت کچھ اپنوں اور کچھ بیگانوں کی غلط روی سے دارالعلوم کا تقدّس پامال ہو رہا ہے تاہم اس ضمن میں بھی ہم اصلاح احوال ہی کے لئے دعاگو ہیں اور ہمیں کسی صورت بھی یہ پسند نہیں کہ دارالعلوم کی عزّت پر حرف آئے۔ بنا بریں ہم متذکرہ الفاظ پر بار دیگر 'معذرت' پیش کرتے ہیں! — (جناب ابن عبدالقدوس صاحب نے اپنے خط میں بعض غیر متعلق اور نامناسب باتیں بھی چھیڑی ہیں اور "دیانتدارانہ صحافت" کے نام پر اپنے مکتوب کو من و عن شائع کرنے کا مطالبہ بھی کیا ہے، لیکن ہم ان کی زیادتیوں 'کو تو "لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ" کے حساب میں محسوب کر لیتے ہیں اور کوئی احتجاج کئے بغیر اُن سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ ہماری اس اجمالی معذرت ہی کو قبول کر لیں۔ ورنہ ان کے خط کی من و عن اشاعت کی صورت میں ہمیں ان کی بعض باتوں کے ضمن میں 'وضاحت' بھی کرنی پڑ جائے گی اور یہ سلسلہ خواہ مخواہ طویل ہو جائے گا!)

مدراس کے اس سفر کی روداد ہی کا ضمیمہ ہے وہ "تقریظ" جو راقم نے مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کے 'خطباتِ مدراس' پر سرزمین ہند ہی میں تحریر کی تھی۔ وہ بھی اس اشاعت میں شامل کی جا رہی ہے۔ اور اس طرح جنوری ۸۱ء کے سفر کا قصّہ الحمدللہ کہ جنوری ۸۲ء ہی میں سہی بہرحال تمام ہو گیا۔

چند ماہ پیشتر راقم نے ان صفحات میں اپنی مصروفیات کا جو تذکرہ کیا تھا، اُس سے بہت سے احباب کو شدید تشویش لاحق ہوگئی اور فون اور خطوط کے ذریعے بھی پند و نصائح کا سلسلہ جاری رہا اور شفیق مکرّم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے تو اسی غرض سے رحیم یار خاں سے لاہور کے لئے "شدِّ رحال" کیا۔ تو مشفقین و محبّین کے اطمینان کے لئے عرض ہے کہ بحمداللہ راقم کی صحت بالکل ٹھیک ہے۔ قلب قرآن، یعنی سورۂ یٰسین میں بیان شدہ ایک عظیم حقیقت "وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ" کو مدّنظر نہ رکھنے اور عمر کے اضافے کے ساتھ جسمانی قوتوں میں جو کمی فطری طور پر واقع ہوتی ہے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے جوش و جذبہ میں جسم کو "تکلیفِ مالا یُطاق" میں مبتلا کرنے پر گاہے گاہے جسم احتجاج کرنا شروع کر دیتا ہے — اور بس!! اور اس پر اگر کوئی وقتی سی تشویش ہوتی بھی ہے تو فوراً ہی یہ احساس مرہم کا کام دیتا ہے کہ ؎

"جنوں میں جتنی بھی گذری بکار گذری ہے!!"

الحمدللہ کہ جسم و جان کی توانائیاں اور صلاحیتیں کُل کی کُل اللہ تعالیٰ کے دین اور اس تعالیٰ کی کتاب کی خدمت میں صرف ہو رہی ہیں۔ اور اوقات بھی تمام کے تمام اُسی کے نذر ہو رہے ہیں۔ اگر اسی کیفیت میں موت آجائے تو اور چاہیئے ہی کیا! — ؎ "جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی؛ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!!"

یہ سطور ۲۲ دسمبر کو سپردِ قلم ہو رہی ہیں۔ گذشتہ ایک ماہ کے دوران لاہور کی مستقل مصروفیات یعنی خطابِ جمعہ مسجد دارالسلام، باغِ جناح، درس قرآن حکیم (منتخب نصاب)، مسجد شہداء، ریگل چوک اور درس قرآن (مسلسل)، جامع القرآن، قرآن اکیڈمی — پھر نیپا (NIPA) پاکستان ایڈمنسٹریٹو سٹاف کالج اور دوسرے تعلیمی اور تربیتی اداروں کے لیکچرز کے علاوہ (جواب راقم کی مصروفیات کا مستقل جزو بن گئے ہیں) بیرونِ لاہور جو پروگرام رہے اُن کا ایک اجمالی جائزہ "مُتَحَدِّثًا لِلنِّعْمَةِ" درج ذیل ہے:

ملتان:- اتوار ۲۲ نومبر کو تنظیم فروغ نظریۂ پاکستان کی طرف سے

اسداللہ شیخ کونسلر ملتان میونسپل کارپوریشن کی دعوت پر رفیق مکرم محمد بشیر ملک صاحب کی معیت میں ملتان جانا ہوا۔ سرپہر کو ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ بعد نماز مغرب میونسپل کارپوریشن کے جناح ہال میں مسٹر جناب غلام قاسم خاکوانی صاحب کی صدارت میں "قرآن کا فلسفہ شہادت اور سانحۂ کربلا" کے موضوع پر خطاب عام ہوا ہال جتنا کچھ بھی تھا کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور فی الواقع تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ مزید براں برآمدے بھی بھرے ہوئے تھے اور معلوم ہوا کہ لوگ باہر سڑک پر بھی کھڑے تھے۔ اور اہم ترین بات یہ کہ سامعین میں معتد بہ تعداد میں مقامی علماء بھی شامل تھے جنہوں نے کامل دلچسپی اور توجہ سے پوری بات سنی —— قرآن کے اصل فلسفۂ شہادت اور سانحۂ کربلا کے بارے میں راقم کے نظریات قارئین "میثاق" پر بخوبی واضح ہیں۔ الحمد للہ کہ اس جلسہ عام میں وہ تمام باتیں پورے شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوئیں اور کسی جانب سے کسی اعتراض یا ردّ و قدح کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ ذالِكَ فضلُ اللّٰہِ یُؤتیہِ من یشاءُ واللّٰہُ ذو الفضلِ العظیم۔

کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر حافظ غلام حیدر خاں ترین ملتان میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے مقاصد کے فروغ کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ ملتان میں بھی ذیلی انجمن کا قیام عمل میں آجائے۔ موصوف نے دوسرے روز بعد نماز فجر گلگشت کالونی کی جامع مسجد بلال رضؓ میں درسِ قرآن کا پروگرام رکھا تھا۔ چنانچہ وہاں سورۂ حجرات کی آیات ۱۴، ۱۵ پر لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹے کا مفصّل خطاب ہوا۔ اور الحمد للہ کہ اس میں شرکت کے لئے بھی ملتان شہر سے بہت سے اصحابِ علم و فضل رکشا وغیرہ کے ذریعے پہنچے۔

بعد ازاں ایک مختصر ملاقات بقیّۃ السلف مولانا سیّد نور الحسن شاہ صاحب بخاری سے اُن کے دولت خانے پر کی۔ جنہوں نے بغیر کسی پیشگی پروگرام کے باصرار ناشتہ کرایا —— وہاں سے اسداللہ شیخ صاحب کے مکان پر واپسی ہوئی تو معلوم ہوا کہ راقم کے "اعزاز" میں ایک باقاعدہ "استقبالیہ" ترتیب دیا گیا ہے۔ حاضری اس میں بھی بہت تھی جس سے اندازہ ہوا کہ عزیزم اسداللہ شیخ واقعتہً

ملتان کے اُبھرتے ہوئے 'لیڈروں' میں سے ہیں!!

عجیب بات ہے کہ "وہ نہیں آتی تو ان کی یاد برسوں تک نہیں آتی ۔ مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں" کے مصداق اس بار ملتان ایک ماہ سے بھی کم عرصے کے اندر اندر دوبارہ جانا ہوگیا ۔ چنانچہ ۱۷ر دسمبر کو ملتان کی بہاؤالدین زکریاؒ یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام وائس چانسلر ڈاکٹر ر دمانی صاحب کے زیرِ صدارت جلسۂ سیرتُ النبیؐ سے مفصل خطاب ہوا ۔

کراچی: کے احباب کے اِصرار پر اب وہاں پھر تقریباً ہر ماہ جانا ہو رہا ہے ۔ نومبر کے شروع میں تو چونکہ لاہور میں تنظیمِ اسلامی کی سالانہ تربیت گاہ منعقد ہوئی تھی لہٰذا کراچی کے تقریباً تمام رفقاء ہفتہ بھر لاہور ہی میں مقیم رہے تھے ۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق راقم کو ۲۷ر نومبر کو نمازِ جمعہ جامع مسجد بلاک ۴ ناظم آباد میں پڑھانی تھی ۔ اس خیال سے کہ جمعہ کی صبح کی پرواز ممکن ہے لیٹ ہو جائے اور جمعہ میں حاضری مخدوش ہو جائے ، راقم نے جمعرات کی نصف شب کی پرواز سے سیٹ بک کرائی لیکن وہ کسی "فنی خرابی" کے باعث ملتوی ہوگئی چنانچہ پوری رات خراب کر کے گھر واپسی ہوگئی ، پھر جمعہ کی صبح کی پرواز سے رختِ سفر باندھا لیکن وہ بھی 'توقع' کے عین مطابق تاخیر سے پہنچی ۔ چنانچہ جمعہ میں شمولیت تو ہوگئی لیکن قبل از جمعہ خطاب نہ ہو سکا ۔ تاہم حاضرین کے اصرار پر بعد از نمازِ جمعہ خطاب کرنا پڑا ۔ معلوم ہوا کہ لوگ بہت دُور دُور سے پہنچے ہیں ۔ حاضرین کا جوش و خروش دیدنی تھا ۔ اور ان کے چہروں بشروں سے احترام اور محبت کے شدید جذبات کا اظہار ہو رہا تھا ۔ چنانچہ اندازہ ہوگیا کہ مغرب اور عشاء کے مابین درسِ قرآن میں بھی حاضری بہت ہوگی ۔

اور فی الواقع ایسا ہی ہوا ۔ اس بار جمعہ اور ہفتہ کی شام کو جامع مسجد بلاک ۴ ناظم آباد میں پھر اتوار کی رات کو بلاک ۱۷ فیڈرل بی ایریا کی جامع مسجد میں درسِ قرآن میں لوگوں کی شرکت نے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ ڈالے ۔ ناظم آباد میں تو شرکاء کی تعداد بارہ چودہ سو سے کسی صورت کم نہ تھی ۔ فیڈرل بی ایریا میں لوگ غالباً آٹھ سو اور ایک ہزار کے مابین تھے ۔ اور تعداد سے بڑھ کر ذوق و شوق اور

جوش و خروش کا معاملہ تھا ـــ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ اس ذوق و شوق اور جوش و خروش کو عمل اور سعی و جہد کے رُخ پر ڈال دے ۔ وَمَا ذالِكَ علی اللہ بعزیز !

درس قرآن کی ان مجالس کے علاوہ کورنگی کریک پر واقع پاکستان ایئرفورس کے تربیتی ادارے میں اساتذہ اور زیرِ تربیت کیڈٹوں کے ایک بڑے اجتماع سے بھی خطاب ہوا ۔ پاکستان کی فضائیہ کے 'شاہ بازوں' کی معیّت میں جو وقت گذرا اس میں فطری طور پر قیل و قال کے علاوہ ایک خاص کیف و سرور بھی شامل تھا اور علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر ذہن میں گھومتا رہا کہ ؎

اگر یک قطرہ خوں داری اگر مشتے پرے داری   بیا با من تو آموزم طریقِ شاہ بازی را!!

اس تقریر سے قبل ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی میں محترم و مکرّم کیپٹن کریم صاحب کے مکان پر ظہرانہ کے ساتھ معززین کے ایک اجتماع سے خطاب ہوا ۔

کراچی میں تنظیم اسلامی کی مقامی شاخ نے فلیٹ ۱۱ داؤد منزل، شارع لیاقت (فریئر روڈ) میں اپنا باقاعدہ دفتر قائم کر لیا ہے ۔ جمعہ ۲۷ر کو دس بجے صبح اس کا افتتاح بھی راقم کو کرنا تھا ۔ اس کے لئے بھی بہت سے حضرات جمع ہو گئے تھے ۔ میں خود تو جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں پی آئی اے کی ستم ظریفیوں کے باعث نہ پہنچ سکا البتہ اس اجتماع سے برادر مکرّم جمیل الرحمٰن صاحب اور امیر تنظیم اسلامی کراچی ڈاکٹر تقی الدین صاحب نے خطاب کیا ـــ اس دفتر کے قریب ہی تنظیم کے ایک رفیق جناب محمد نقی صاحب نے بجلی کے سامان کی ایک چھوٹی سی دکان کھولی ہے ۔ ان کے محبّت آمیز اصرار پر وہاں بھی حاضری دینی پڑی اور دُعائے خیر کے علاوہ حاضرین سے مختصر خطاب بھی ہو گیا ۔

راولپنڈی ۔ اسلام آباد :۔ 'انجمن خدام القرآن راولپنڈی و اسلام آباد' اگرچہ قائم تو دو سال سے زائد عرصے سے ہے لیکن ادھر کچھ عرصہ سے وہ بہت حد تک غیر فعال ہو چکی تھی ۔ پچھلے دو تین ماہ سے وہ از سرِ نو حرکت میں آئی ہے ۔ اس مائل بہ حرکت ہونے کی قیمت وہاں کے احباب نے مجھ سے یہ وصول کی ہے کہ وعدہ لے لیا ہے کہ ہر ماہ دو ، نہ کم از کم ایک دن انہیں ضرور دوں ۔ اس سلسلے کا پہلا پروگرام ۷، ۸ دسمبر کو اسلام آباد کے لئے طے ہوا ۔ اس کی اطلاع قاری

خلیل الرحمٰن صاحب بانی و مہتمم مدرسہ "دارالتجوید و حفظ قرآن" راولپنڈی کو بھی ہو گئی - چنانچہ انہوں نے ۶ ر دسمبر کا اپنے یہاں کے لئے وعدہ لے لیا -

چنانچہ ۷،۸ دسمبر بروز بیر ڈمنگل کمیونٹی سنٹر اسلام آباد میں سورۃ حج کے آخری رکوع کا درس ہوا - پہلے روز یہ درس بعد نمازِ عصر شروع ہوا اور عشاء تک جاری رہا - دوسرے روز بعد نمازِ مغرب شروع ہوا - اور عشاء باجماعت تاخیر سے ادا کی گئی - انجمن خدام القرآن راولپنڈی کے کارکنوں نے اس کے لئے خصوصی تیاریاں کی تھیں - دعوت نامے چھپوا کر تقسیم کئے گئے - پوسٹر طبع کرائے گئے اور اسلام آباد کے اہم مقامات پر چسپاں کئے گئے - اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے - آمین! سردی کے باوجود حاضری توقع سے بہت زیادہ تھی - ہال پورا بھرا ہوا تھا - مزید کرسیاں لگائی گئیں لیکن پھر بھی کچھ لوگوں کو دروازوں اور برآمدے میں کھڑا رہنا پڑا -

لوگوں نے بتایا کہ کمیونٹی سنٹر کی تاریخ میں اس نوعیت کا اتنا بڑا اجتماع پہلے کبھی نہیں ہوا - دونوں روز لوگوں نے نہایت ذوق وشوق سے شرکت کی - ہال کے دروازے پر انجمن کا مکتبہ اور نشر القرآن کے کیسٹوں کا اسٹال لگا ہوا تھا - کتب اور کیسٹوں کی فروخت بھی توقع سے بہت زیادہ ہوئی - آئندہ کیلئے طے ہوا کہ ہر ماہ اجتماع کمیونٹی سنٹر کے ہال ہی میں ہوا کرے گا - جنوری کے پہلے ہفتہ میں کراچی کے پروگرام کی وجہ سے اسلام آباد میں اجتماع کی تاریخ ۱۱ر ۱۲ر جنوری مقرر کی گئی -

"دارالتجوید و حفظ القرآن" کے مہتمم جناب قاری خلیل الرحمٰن صاحب کو بھی یہ احساس ہو گیا تھا کہ حاضری بہت زیادہ ہو گی چنانچہ انہوں نے مدرسہ کے ہال کو ناکافی سمجھتے ہوئے قریب ہی گورنمنٹ ہائی اسکول کے وسیع ہال میں اجتماع کا اہتمام کیا تھا - چنانچہ وہاں بھی فرشی نشست کے باوجود ہال پورا بھر گیا یہاں تک کہ باہر تک لوگ کھڑے ہوتے تھے - سورۃ حجرات کی چند آیات کا درس دیا گیا جسے لوگوں نے سردی کے باوجود نہایت صبر و سکون کے ساتھ آخر وقت تک سنا - مدرسہ کے مہتمم قاری خلیل الرحمٰن صاحب کے داماد کا گذشتہ رات ہی اچانک حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال ہو گیا تھا انا للہ وانا الیہ راجعون

اور وہ دن میں تجہیز و تکفین میں مصروف رہے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اور اُن کے صاحبزادگان نہ صرف یہ کہ اجتماع میں موجود تھے بلکہ نہایت مستعدی سے انتظامات میں مصروف تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے اور مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنّت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔ آمین!

راولپنڈی اسلام آباد کے اس سفر کا یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے۔ کہ اس میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ناظم اعلیٰ قاضی عبدالقادر صاحب بھی چند دوسرے کارکنوں اور انجمن کی مطبوعات کے ایک بڑے سے صندوق سمیت سائے کی طرح ساتھ رہے۔ (یادش بخیر اسی طرح کا ایک "باجماعت" دَورہ راقم اور قاضی صاحب ماہ اکتوبر کے دوران آزاد کشمیر کا کر چکے ہیں جس میں بھمبر، فاضل پور۔۔۔ اور میرپور جانا ہوا تھا۔)

تربیلہ:۔ تربیلا ڈیم پر واقع واپڈا کی وسیع و عریض کالونی میں واپڈا کے افسرانِ بالا کی تربیت کے لئے ایک اکیڈمی قائم ہے۔ اس کے پرنسپل حاجی بشیر احمد صاحب نومبر میں بنفس نفیس تشریف لاکر ۱۲ دسمبر کے لئے وعدہ لے گئے تھے۔ چنانچہ ۱۲ کو برادرم محترم محمد بشیر ملک صاحب اور بعض دوسرے رفقاء کی معیت میں واپڈا ہی کی ایک گاڑی میں تربیلا جانا ہوگا ۔۔ جہاں ایک مفصل خطاب تو ۱۳ دسمبر کو صبح کے وقت اکیڈمی میں زیرِ تربیت افسران اور فیکلٹی کے ارکان سے ہوا اور پھر اسی روز شام کو بعد نماز مغرب کالونی کے کمیونٹی سنٹر میں سیرتُ النبیؐ پر تقریر ہوئی۔ اور یہاں بھی وہی حال تھا جو ملتان، کراچی اور کراچی اور اسلام آباد کے سلسلے میں بیان ہو چکا ہے یعنی یہ کہ ہال "جائے تنگ است و مرداں بسیار!" سے بے حال تھا۔ اور سامعین کا صبر و سکون اور ذوق و شوق مثالی و دیدنی ۔۔ باقی اپنا حال تو بحمداللہ یہ ہے ہی کہ ؎

ان ہی کی باتیں سنا رہا ہوں زبان میری ہے بات اُن کی
ان ہی کی محفل سجا رہا ہوں چراغ میرا ہے، رات ان کی!

سلسلہ تقاریر رسولِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم نمبر ا

نبوّت و رسالت اور اس کا مقصد

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ امّا بعد:-

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۝ (سورۃ النساء)

ناظرینِ کرام! آپ کو معلوم ہے کہ پندرھویں صدی ہجری کا پہلا ربیع الاوّل شروع ہو چکا ہے۔ یہ نبی اکرمؐ کی ولادتِ باسعادت کا مہینہ ہے۔ اسی مناسبت سے آپؐ کے ذکرِ جمیل پر مشتمل گفتگوؤں کا یہ سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے اس ضمن میں اس سے پہلے کہ ہم نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ اور آپؐ کی سیرتِ مطہرہ کے مختلف گوشوں کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے گفتگو کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی روشنی میں یہ سمجھیں کہ نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت کیا تھا! ہمارا ایمان ہے کہ سیّدِ وُلدِ آدم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک نبی ہی نہیں بلکہ "خاتم النبیین" ہیں اور صرف ایک رسول ہی نہیں بلکہ "آخر المرسلین" ہیں۔ لہٰذا آپؐ کا مقصدِ بعثت یقیناً وُہ بھی ہے جو تمام انبیاء اور رُسُل کا بنیادی اور اساسی مقصدِ بعثت ہے۔ لیکن چونکہ آپ پر نبوّت و رسالت کا سلسلہ صرف ختم ہی نہیں ہوا بلکہ مکمل ہُوا ہے لہٰذا آپ کے مقصدِ بعثت میں ایک تکمیلی اور اتمامی رنگ بھی ہونا ضروری ہے۔ جو آپ کے لئے مابہ الامتیاز ہو اور تمام انبیاء اور رسولوں کی مقدس جماعت میں آپ کا منفرد مقام و امتیازی مرتبہ واضح ہو جائے۔

اسلام کا پُورا قصر ایمان کی بنیاد پر قائم ہے۔ اور ایمان چند ایسے ماورائی

حقائق کو ملنے کا نام ہے جن تک رسائی حواسِ ظاہری کے ذریعے ممکن نہیں بلکہ جن تک رسائی کسی درجے میں صرف عقل اور وجدان کی قوتوں کو بروئے کار لا کر ہو سکتی ہے ۔ اگر ان امور کو تین بڑے بڑے حصّوں میں جمع کیا جائے تو وہ ایمانیات ثلاثہ کی شکل اختیار کرتے ہیں ۔ یعنی ایمان باللہ یا توحید ۔ ایمان بالآخرت یا ایمان بالمعاد اور ایمان بالرسالت اور نبوت ۔ ان تینوں کے مابین اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو بڑا گہرا منطقی ربط پایا جاتا ہے ۔ تفصیلات کو چھوڑ کر اور فلسفیانہ اور متکلمانہ موشگافیوں سے قطع نظر اگر سادہ الفاظ میں سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ ایمان کیا ہے ! تو سب سے پہلے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ پوری کائنات یہ پورا سلسلہ کون و مکاں جو تاحدِ نگاہ ہماری نگاہوں کے سامنے پھیلا ہوا ہے ۔ جس کی وسعتوں کا تاحال انسان کو کوئی اندازہ نہیں ۔ یہ نہ ہمیشہ سے ہے نہ ہمیشہ رہے گی ۔

اصطلاحًا ہم یوں کہیں گے کہ یہ حادث ہے اور فانی ہے ۔ البتہ ایک ہستی ہے ، ایک ذات ہے ، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی ۔ یہ ہستی بالکل تنہا ہے اکیلی ہے لاشریک اور یکتا ہے ۔ اس کی ذات اس کی صفات اس کے حقوق و اختیارات سب حد درجہ لاثانی (Unique) ہیں ۔ جن میں کوئی کسی اعتبار سے نہ ساجھی ہے نہ شریک ہے اس ہستی میں تمام محاسن و کمالات بتمام و کمال موجود ہیں ۔ یہ ہستی ہے جسے ہم اللہ کے نام سے جانتے ہیں ۔ یہ ہے اجمالاً ایمان باللہ یا توحید ۔ اس ہستی نے اس کائنات کو پیدا فرمایا ۔ یہ تخلیق نہیں ہے ، بے مقصد نہیں ہے بے کار اور عبث نہیں ۔ بلکہ بالحق (Purposeful) ہے ۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ○ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ج ۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج ۔ (آل عمران)

یہ تخلیق بالحق ہے اور إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى یعنی ایک وقتِ معین تک کے لئے ہے ، اسی خالق کائنات نے انسان کو تخلیق فرمایا اور انسان اس سلسلۂ تخلیق کا نقطۂ عروج ہے ۔ یہی انسان اشرف المخلوقات اور مسجودِ ملائک بلد

اس انسان کی ایک زندگی تو وُہ ہے۔جو وہ اس دُنیا میں بسر کرتا ہے۔اس دُنیا میں پیدائش سے لے کر موت تک کا وقفہ۔لیکن یہی اُس کی کُل زندگی نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی ایک نہایت طویل عمل ہے بقول علامہ اقبال مرحوم۔

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

یہ دُنیا کی زندگی تو درحقیقت اُس کی کتاب زندگی کے صرف دیباچے کی حیثیت رکھتی ہے۔اُس کی اصل کتابِ زندگی موت کے بعد کُھلے گی۔اُس کی اُخروی زندگی ہی اصل زندگی ہے جو ابدی ہے۔جو ہمیشہ کی زندگی ہے جس میں دوام ہے جیسے کہ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

"اصل زندگی کا گھر تو دارِ آخرت ہے۔کاش یہ لوگ جانتے" (العنکبوت)

انسانی زندگی کے اس طویل سفر میں موت صرف ایک وقفہ ہے بقول شاعر

موت اِک زندگی کا وقفہ ہے یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر

اس طرح زندگانی دو حصوں میں منقسم ہوگئی تو اس سے جو دُنیوی زندگی کا حصّہ جُداگانہ متشکل ہوا اُس کا مقصد ہے ابتلا و امتحان۔بمطابق آیت قرآنی:۔اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔(سورۂ مُلک) "اس نے موت اور حیات کا یہ سلسلہ اس لئے بنایا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون ہے اچھے عمل کرنے والا۔"

اس کو بھی علامہ اقبال نے نہایت سادہ الفاظ میں ادا فرمایا۔

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

اس زندگی کے بعد ایک موت آنے والی ہے اُس موت کے بعد حشر و نشر ہے۔
جزا و سزا کے فیصلوں کا ایک دن ہے۔جسے قرآن مجید یومُ الدّین سے تعبیر فرماتا ہے۔
اُس دِن طے ہوگا کہ انسان اپنی حیات دُنیوی میں اپنی سعی وجہد کے اعتبار سے ناکام رہا یا کامیاب قرار پایا۔اور اُس کے بعد جیسا کہ ایک خطبۂ نبوی میں الفاظ وارد ہوئے۔ وَاِنَّهَا لَجَنَّةٌ اَبَدًا اَوْ لَنَارٌ اَبَدًا ط

"اور وہ جنت ہے ہمیشہ کے لئے یا آگ ہے دائمی"

پھر اُس ابدی زندگی میں یا رَوْحًا و ریحانًا و اور جنّتِ نعیم کے مزے ہیں اور یا اللہ تعالےٰ کا شدید عذاب اور اُسکی سخت سزا ہے - ان تمام امور کو ملنے کا نام ایمان بالآخرۃ ہے - اگر غور کیا جائے تو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ یا ایمان بالمعاد اِن دونوں کے ربط سے اسلام کے تصوّرِ زندگی کا ایک خاکہ مکمل ہو جاتا ہے - یہ گویا کہ مبدأ و معاد کا آئین ہے اس کے بغیر انسان کا حال بے لنگر جہاز جیسا ہے جسکی کوئی سمتِ سفر متعین نہ ہو اور موجوں کے رحم و کرم پر ہو -

سُنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سُنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

لیکن اللہ اور آخرت کا یہ علم انسان کی زندگی کی ابتدا اور انتہا کا تعین کرتا ہے - انہی دونوں کو سمو دیا گیا ہے قرآن مجید کے اِن حد درجہ جامع الفاظ میں -

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ (البقرہ)

"ہم اللہ ہی کے ہیں - اُسی کے پاس سے آئے ہیں اور اُس کی طرف ہمیں لوٹ جانا ہے"

اب یہاں ایک سوال فطری طور پر سامنے آتا ہے - امتحان لیا جاتا ہے کچھ سکھا کر - جانچا اور پرکھا جاتا ہے کچھ دے کر - یہ جو امتحان ہے جس سے انسان اس حیاتِ دنیوی میں دوچار ہے - سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اسکی بنیاد کیا ہے اس کی اساس کیا ہے !! اس کی جانچ اور پرکھ کس اصول پر ہوگی !! اس سوال کا ایک جواب جو بنیادی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو اس دُنیا میں اس ابتلاء و آزمائش کے لئے بھیجا تو غیر مسلح نہیں بھیجا بہت سی صلاحیتوں اور استعداد سے مسلح کر کے بھیجا ہے بڑی پیاری آیت ہے سورۃ الدھر کی :- اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْہِ

فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا -

ہم نے انسان کو مِلے جُلے نطفے سے پیدا کیا تاکہ اُسے آزمائیں اُسے جانچیں اُسے پرکھیں - پس ہم نے اُسے سمیع اور بصیر بنایا اُسے سماعت اور بصارت کی استعداد دے کر دُنیا میں بھیجا مزید براں اُس میں تعقل و فکر کی صلاحیتیں رکھیں - اس

میں نیکی اور بدی کی تمیز ودیعت کی جیسے کہ فرمایا گیا۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ (الشمس)

" اور قسم ہے نفسِ انسانی کی اور جو اُسے بنایا اور سنوارا اور اُس کی نوک پلک درست کی۔ اور اُس میں نیکی اور بدی خیر اور شر کا علم الہامی طور پر ودیعت کر دیا" ۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر مزید غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قلب انسانی میں اللہ تعالٰے نے اپنی محبّت کی ایک دھیمی سی آنچ بھی رکھ دی ہے۔ ان تمام چیزوں سے مسلح ہو کر انسان اِس دُنیا میں آیا ہے۔ لہٰذا اُس کی اُخروی باز پرس اور اُس کا جو حساب کتاب ہوگا۔ آخرت میں اُس کی بنیادی اساس تو یہی ہے۔ گویا کہ ہر انسان مسئول ہے۔ ذمہ دار ہے جوابدہ ہے۔

Responsible ہے Accountable ہے۔ اللہ کے سامنے۔ خواہ کوئی نبی آئے ہوتے یا نہ آئے ہوتے، خواہ کوئی کتاب نازل ہوتی یا نازل نہ ہوئی ہوتی۔ اِن فطری استعدادات کی بنیاد پر جو انسان کے اندر ودیعت شدہ ہیں۔ ہر انسان مکلّف ہے مسئول ہے ذمہ دار ہے جوابدہ ہے۔ لیکن اس پر رحمت خداوندی کا ایک تقاضا اور ہوا۔ انسان کے اس امتحان میں مزید آسانی پیدا کرنے کے لئے اللہ نے انزالِ وحی انزالِ کُتب بعثتِ انبیاء اور ارسالِ رُسُل کا سلسلہ جاری فرمایا جو انسان کی اپنی بنیادی استعدادات کے لئے وُہ سامان لے کر آئے جن سے ان کو جلا ہو ڈھول غفلت کے پردے اُٹھ جائیں اگر آئینہ قلب پر کوئی زنگ آگیا ہے تو دُور ہو جائے یہ گویا اللہ تعالٰے کی طرف سے اُس کی مزید رحمت ہے، مزید فضل وکرم ہے۔ گویا نبوت اس پہلو سے رحمت ہے۔ اور یہی وہ نکتہ ہے۔ جو سمجھ لینا چاہیئے کہ نبی اکرمؐ کی ذاتِ مبارکہ میں یہ رحمت Boundless ہو گئی ہے۔ اس نے تمام جہانوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ نبوّت اصلاً رحمت ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمۃ للعٰلمین بنا کر بھیجے گئے۔ آپ کی رحمت تمام جہانوں پر محیط ہو گئی۔ لیکن اسی کا ایک دُوسرا پہلو بھی سامنے رہے وہ یہ کہ نبیوں کی آمد، رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نزول کے بعد اب محاسبۂ اُخروی کے لئے گویا کہ انسان پر اتمامِ حجت ہو گیا۔ انسان کے پاس

اب کوئی عُذر نہ رہا کوئی بہانہ وُہ پیش نہ کر سکے گا کہ پروردگار ! ہمیں معلوم نہ تھا کہ تُو کیا چاہتا ہے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ تیری رضا کس میں ہے۔ ہمیں علم نہیں تھا کہ تُو کن باتوں سے ناراض ہوتا ہے ! یہ عذر اگر کسی درجے میں قابلِ پذیرائی ہو سکتا تھا تو نبوت و رسالت کے بعد اب اِس کا امکان قطعاً ختم ہو گیا۔ اس کو آپ قطع عُذر سے تعبیر کریں یا اتمام حجّت کا نام دیں۔ بعثتِ انبیاء اور ارسال رُسل سے ایمان بالآخرت کے ضمن میں گویا کہ انسان کی ذمہ داری اور اُس کی مسئولیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ یہی ہے وہ بات جو اُس آیۂ مبارکہ میں ارشاد ہوئی تھی جسے آغازِ کلام میں تلاوت کیا گیا تھا۔

رُسُلاً مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (سُورۂ نساء)

ہم نے اپنے ان رسولوں کو بھیجا بشارت دینے والے بناکر اور خبردار کرنے والے بناکر" اہلِ حق کے لئے طالبین ہدایت کے لئے صحیح راہ پر چلنے والوں کیلئے وُہ مبشّرین بشارت دینے والے کہ اُنکے لئے جنّتُ نعیم ہیں ——— نہایت روشن مُستقبل منتظر ہے اور اہلِ زیغ کے لئے کجروی اختیار کرنے والوں کے لئے گمراہی کی روش اختیار کرنے والوں کے لئے وہ خبردار کر دینے والے Warn کر دینے والے ہیں۔

تاکہ لوگوں کے پاس اللہ کے مقابل۔ اللہ کے ہاں کوئی حُجّت باقی نہ رہ جائے رسولوں کے بعد وُہ کوئی عذر پیش نہ کرسکیں محاسبہ اُخروی کے وقت کوئی بہانے نہ بنا سکیں۔ ——— وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

اللہ زبردست ہے وُہ جس طرح چاہے حساب لے اُسکا اختیار مطلق ہے کوئی اُسے پوچھنے والا نہیں لیکن وہ حکیم بھی ہے اُس نے اپنی اس بازپرس کے لئے ایک نہایت حکمت بھرا نظام تجویز فرمایا ہے۔ اور یہی ہے وُہ نظام جس کی اہم ترین کڑی ہے۔ سلسلۂ نبوت و رسالت۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سلسلہ تقاریر رسولِ کامل صلّی اللہ علیہ وسلّم ۔ ۲

تاریخِ نبوّت

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم ط بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ط
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ
وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ط

از روئے قرآنِ حکیم صفحہ ارضی پر قافلۂ انسانیت اور قافلۂ نبوت ورسالت نے ایک ساتھ سفر کا آغاز کیا۔ یعنی پہلے انسان حضرتِ آدم علیہ السلام اللہ کے پہلے نبی بھی تھے اور آدمِ ثانی یعنی حضرت نوحؑ پہلے رسول تھے۔ اُس کے بعد قافلۂ آدمیت اور قافلۂ نبوت ورسالت ساتھ ساتھ سفر جاری رکھتے رہے۔ ایک طرف مادی ارتقاء کا عمل جاری ہوا۔ وسائل وذرائع میں ترقی ہوتی چلی گئی انسان کے مادی علوم کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا تو ساتھ ساتھ ہدایتِ آسمانی ہدایتِ خداوندی بھی ارتقائی مراحل طے کرتی چلی گئی۔ تاآنکہ نبوّت اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی حضرت ابراہیمؑ کی ذات مبارکہ میں اور بالآخر ختم ہوگئی اور اختتام کو پہنچ گئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیتِ مقدس میں اور رسالت اپنے نقطۂ عروج کو پہنچی آنحضورؐ کی ذاتِ مبارک میں اور پھر آپؐ ہی کی شخصیت میں وہ قیامت تک کے لئے قائم ودائم ہوگئی۔

اگرچہ ہم یقین کے ساتھ یہ نہیں جان سکتے کہ اس دُنیا میں کُل کتنے رسول آئے لیکن بطورِ اصول یہ بات قرآنِ مجید میں ایک سے زائد مرتبہ واضح کردی گئی کہ انبیاء و رسول صرف وہی نہیں ہیں کہ جن کا قرآن میں ذکر ہے جو آیت مبارکہ آغاز میں تلاوت کی گئی یہ سورۂ مومن کی آیت ۷۸ کا پہلا جزو ہے اور یہی مضمون سورۃ النساء میں بھی آیا ہے۔

آغاز میں سورہ مومن کی جس آیتِ مبارکہ کے ابتدائی حصے کی تلاوت کی گئی

تھی۔اس کا ترجمہ یہ ہے :۔

"(اے محمدؐ) وہ بھی رسُول ہیں جن کے حالات ہم نے آپ کو بتا دیئے اور ایسے بھی بہت سے رسول ہیں کہ جن کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے ۔"

بعض روایات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انبیاء کی تعداد سوا لاکھ ہے ۔ اُن میں سے جو رسُول بھی تھے اُن کی تعداد ۳۱۳ ہے ۔ نبوّت و رسالت میں کیا فرق ہے ! اور اُن کے مابہ الامتیاز امور کون کون سے ہیں ! ان میں محققین کے نزدیک کسی قدر اختلاف پایا جاتا ہے لیکن ایک بات پر اجماع ہے کہ نبوّت عام ہے اور رسالت خاص ہے یعنی ہر رسُول تو لازماً نبی بھی ہے لیکن ہر نبی لازماً رسول نہیں ہوتا ۔ اگر جو خالص فنی اصطلاحات ہیں اور اُن کے جو مباحث ہیں اُن سے ہٹ کر سادہ الفاظ میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ نبوّت ایک ذاتی مرتبہ ہے اور رسالت ایک منصب ہے ۔ جیسے کہ ہمارے ہاں ایک CADRE ہے سی ایس پی لیکن پھر کسی C.S.P. کی تقرّری (Appointment) ہے وہ کسی ضلع کا ڈپٹی کمشنر یا کسی وزارت میں سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہوتا ہے یہ اُس کا منصب ہے اسی طرح نبوّت ایک ذاتی مرتبہ و مقام ہے اور رسالت ایک منصب ہے ۔ جیسے کہ کسی رسُول کو فائز کیا جاتا ہے متعیّن طور پر کسی شہر یا مُلک یا قوم کی طرف مبعوث فرما کر ـــ قرآن مجید میں بہت سے انبیاء کا بھی ذکر ہے اور بہت سے رسُولوں کا بھی ذکر ہے ان میں سے چھ رسُولوں کا ذکر قرآن مجید بار بار کرتا ہے ۔ اس اعتبار سے کہ جن قوموں کی طرف وہ بھیجے گئے انہوں نے اُن کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اور اس کی پاداش میں اُن پر دُنیا ہی میں عذابِ استیصال یعنی جڑ کاٹ دینے والا عذاب نازل کیا گیا ۔ اُن کو نیست و نابود کر دیا گیا بمصداق آیتِ قرآنی :۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ط

پس جڑ کاٹ دی گئی اُس قوم کی جس نے ظلم کیا ۔

یعنی رسُول کا انکار کرنے والی قوم کی جڑ کاٹ دی گئی اس کو نسیاً منسیاً کر دیا گیا جیسے کہ کوڑے کرکٹ کا ڈھیر ہو کہ اُسکو آگ لگا کر ختم کر دیا جائے ـ یہ رسول جن کا ذکر بار بار آیا ہے ۔ سُورۃ الاعراف میں سُورۃ یونس میں سورۃ ہُود میں پھر سُورۃ شوریٰ

ہیں۔ سورۃ المومنون میں اور بھی متعدد سورتوں میں یہ ہیں، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰ علیہم السلام اگر ذرا غور کیا جائے تو ان میں بڑی عجیب تقسیم یہ نظر آتی ہے کہ تین رسول حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ ماقبل سے تعلق رکھتے ہیں اور تین کو زمانہ مابعد حضرت ابراہیمؑ سے متعلق قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے ہم عصر ہیں لیکن چونکہ اُن کے بھتیجے ہیں اُن سے چھوٹے ہیں لہٰذا اس تقسیم میں انہیں حضرت ابراہیمؑ کے بعد شمار کیا جاسکتا ہے گویا کہ انبیاء اور رُسل کی تاریخ میں حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی شخصیت ایک مرکزی شخصیت کی حیثیت سے سامنے آتی ہے، اُن کی تین نسبتیں ہیں اور تینوں نہایت بلند ہیں۔ ایک جانب وہ خلیل اللہ ہیں دوسری طرف وہ ابوالانبیاء ہیں اُنکی نسل سے سینکڑوں انبیاء اور رسول اُٹھے یہاں تک کہ ہمارے رسول مقبولؐ بھی اُنہی کی نسل سے ہیں۔ پھر قرآن مجید امامۃ الناس کا منصب بھی اُن کے لئے قرار دیتا ہے۔ وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ط (سورۃ بقرہ)

"اور جس وقت آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں (آزمائشوں) کے ساتھ پس پورا کیا ان کو (ابراہیم نے) (اللہ نے) فرمایا (اے ابراہیمؑ) تحقیق میں نے تجھ کو لوگوں کا امام بنایا"

لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں۔ ابوالانبیاء ہیں اور امام الناس ہیں ——— یہ تینوں نسبتیں نہایت عظیم ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ مرتبہ نبوّت کے اعتبار سے حضرت ابراہیمؑ بہت بلند مقام پر فائز ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ سے پہلے تشریف لانے والے جن تین رسولوں کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے اُن کے حالات کو اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے ضمن میں صرف ایک ہی جرم کا ذکر ملتا ہے۔ اُن کی قوموں کی ایک ہی گمراہی ہے جس پر انہوں نے نکیر کی جس پر انہوں نے روک ٹوک کی جس سے باز آنے کی انہوں نے دعوت دی اور وہ شرک کا جرم ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور تمدنی۔ سماجی یا کسی اور طرح کی بے راہ روی کا ذکر نہیں ملتا معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوحؑ قوم ہودؑ اور قوم صالحؑ کے زمانے تک ابھی انسانی تمدن اپنی ابتدائی مراحل (STAGES) میں تھا جس میں گمراہی

بس ایک شرک ہی کی صورت میں موجود بھی اس کے علاوہ ابھی انسانی زندگی اور اُس کے متعلقات اور دوسرے پہلو ابھی کسی نہ کسی حد تک فطرت کے قریب تر واقع ہوئے تھے - یہی وجہ ہے کہ حضرتِ نوح، حضرت ہُود، حضرت صالح کی دعوت میں ایک ہی نکتہ نظر آتا ہے - یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

"اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو صرف اللہ کی پرستش کرو اسکی بندگی اور پرستش میں کسی کو اُسکے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اس لئے کہ حقیقتاً اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں"

لیکن حضرت ابراہیمؑ کے بعد جن تین رسولوں کا ذکر آتا ہے - ان میں ہمیں نظر آتا ہے کہ تمدّن اور تہذیب اور انسان کی حیاتِ اجتماعی کے مختلف گوشوں میں گمراہی کی وُہ صورتیں ظاہر ہوئیں جو اگرچہ اُسی شجرۂ خبیثہ کے برگ و بار ہیں یعنی شرک ہی کے یہ نتائج ہیں لوازم ہیں لیکن یہ کہ بالفعل ان کا ظہور حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کے بعد ہو رہا ہے چنانچہ حضرت لوطؑ کی قوم میں ہمیں جنسی بے راہ روی نظر آتی ہے - Sexual Perversion. جو سماج کی جڑوں کو کھوکھلا کر دینے والی چیز ہے اس لئے کہ انسان کی معاشرت - اُس کا معاشرتی نظام درحقیقت عورت اور مرد کے تعلقات کے صحیح بنیادوں پر اُستوار ہونے سے ہی صحت کے ساتھ برقرار رہ سکتا ہے اس کے بعد حضرت شعیبؑ کی قوم کے بارے میں قرآن جو ذکر کرتا ہے تو اس میں اُن کے ہاں معاشی بے راہ روی نظر آتی ہے - اس قوم میں ناپ تول میں کمی ہونے لگی دھوکہ اور فریب شروع ہو گیا - لوگوں کے مال ناجائز طور پر ہڑپ کئے جانے لگے راہ زنی ہونے لگی - چنانچہ حضرت شعیبؑ کی دعوت قرآن مجید میں بیان ہوتی ہے تو اُس میں نہایت نمایاں پہلو یہ ہے کہ لوگو! ایک اللہ کی بندگی اور اُس کی پرستش کرو اور لوگوں کے اموال پر ڈاکہ زنی نہ کرو - اُن کے حقوق نہ مارو - ناپنے میں اور تولنے میں کمی نہ کرو -

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ "اور میری قوم کے لوگو! پورا کرو ماپ کو اور تول کو انصاف کے ساتھ اور کم نہ کرو لوگوں کی چیزوں میں"

اس سے آگے بڑھ کر ہم دیکھتے ہیں حضرت موسیٰؑ کو بھیجا جا رہا ہے آلِ فرعون کی طرف ۔ اور یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ سیاسی جبر اور استبداد کی ایک بہت نمایاں مثال سامنے آتی ہے ایک قوم دُوسری قوم پر اس طرح مسلط ہوگئی ہے کہ اُس نے اُسکو بالفعل اپنا غلام بنا کر رکھ لیا ہے اُن سے بالجبر کام لیا جا رہا ہے اُن پر اس درجہ ظلم روا رکھا جا رہا ہے اور اُن کی اُولادِ نرینہ ہلاک کر دی جاتی ہے اور انکی لڑکیوں کو زندہ رکھ لیا جاتا ہے ۔ یہاں حضرت موسیٰؑ سامنے آتے ہیں اور اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ

"اِس قوم کو جسے تُم نے جبر اور ظلم کے شکنجے میں کسا ہوا ہے اسے ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے دو"

یہ تین رسُول جو حضرت ابراہیمؑ کے بعد دُنیا میں خاص طور پر دُنیا کے اس خطے میں آئے کہ جو عرب کے آس پاس تھا جس کی تاریخ سے اہلِ عرب واقف تھے جن میں نبی اکرمؐ کی بعثت ہو رہی ہے ان کے حالات میں گویا کہ انسانی اجتماعیت جس جس پہلو سے فساد کا شکار ہو سکتی ہے اُن کی نشاندھی کر دی گئی ۔ اس کے بعد ایک اُمت کی تاریخ شروع ہوتی ہے حضرت مُوسیٰؑ سے ۔ بنی اسرائیل کی حیثیت ایک اُمتِ مسلمہ کی ہے جو کتابِ الٰہی کی حامل شریعتِ خداوندی کی امین تھی جس نے اللہ کے ساتھ ایک عہد و میثاق کیا تھا ۔ اُس کی تاریخ قرآنِ مجید بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے ۔

حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں پے بہ پے انبیاء آتے رہے ایک مصلح کی حیثیت سے اُن میں ایک تجدیدی کارنامہ سرانجام دیتے رہے ۔ جب کبھی اُن کے اندر ایمانی جذبات سرد پڑنے شروع ہوئے یا اُن کے اعمال و اخلاق کے اندر کجی راہ پانے لگی ۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے نبوّت و رسالت نے پھر اُنہیں سہارا دیا ۔ اس سلسلۂ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں حضرت مسیح علیہ السّلام اس سلسلے کے آخر رسول جو گویا کہ بنی اسرائیل پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے آخری حجت بن کر سامنے آئے اور ان کے بعد چھ سو برس کا عرصہ فترتِ اولیٰ کا زمانہ کہلاتا ہے ۔ جو تمہید ہے دراصل ختمِ نبوّت اور اتمامِ رسالت کی ۔ یہ چھ سو سالہ تاریخِ انسانی میں اس اعتبار سے گویا پہلی مرتبہ

یہ ایک وقفہ ہے کہ جس کے دوران پورے کرۂ ارضی پر کوئی رسول اور نبی نہیں تھا۔
حضرت عیسیٰؑ کے بعد اب نبوّتِ محمدی کا خورشیدِ ہدایت طلوع ہُوا۔ جن پر نبوت ختم اور رسالت کی تکمیل ہوئی۔ اس فترتِ اولیٰ کا عرصہ لگ بھگ ۵۷۱ برس ہے۔ اس لئے کہ آنحضورؐ کی ولادتِ باسعادت سنِ عیسوی کے حساب سے ۵۷۱ء میں ہوئی اور آپ پر آغازِ وحی ۶۱۰ء میں ہُوا۔ اس طرح یہ چھ سو سال ہیں جنکے دوران یہ فترتِ اولیٰ ہمیں نظر آتی ہے جو تمہید ہے۔ مستقل فترت کی کہ جس میں نبی اکرمؐ پر نبوّت اور رسالت کا خاتمہ ہوگیا یہاں یہ بات جان لینی چاہیئے کہ آنحضورؐ پر نبوّت صرف ختم ہی نہیں ہوئی بلکہ مکمل بھی ہوئی ہے واقعہ یہ ہے کہ ختمِ نبوّت پر تو ہمارے ہاں کافی زور ہے، اپنی جگہ یہ ایک واقعہ ہے حقیقت ہے اور اسی کی ایک قانونی اہمیت بھی ہے جس کی وجہ سے یہ مسئلہ زیادہ نمایاں ہُوا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو آنحضورؐ کی فضیلت کی بنیاد ختمِ نبوّت نہیں بلکہ تکمیلِ نبوّت و رسالت ہے وہ آیۂ مبارکہ جو سُورۂ مائدہ میں ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ
نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط

"آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے۔ اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین پسند کر لیا ہے۔"

اس پر بجا طور پر یہودیوں نے بصد حسرت مسلمانوں سے کہا تھا کہ اے مسلمانو! یہ عظیم آیت جو تمھیں عطا ہوئی ہے اگر کہیں ہم پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے یومِ نزول کو اپنی سالانہ عید بنا لیتے۔

یہ ہے وہ مقام کہ جہاں نبی اکرمؐ رسُولِ کامل کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ جن پر رسالت صرف ختم ہی نہیں ہوئی بلکہ مکمل ہوگئی ہے۔ جن پر نبوّت کا صرف اختتام ہی نہیں ہُوا بلکہ اتمام ہوا ہے۔ اس اتمامِ نبوت اور اکمالِ رسالت کے مظہر کیا ہیں ان پر انشاء اللہ بعد میں گفتگو ہوگی۔

فصلی اللہ علٰے محمّدٍ وعلٰے آلہٖ واصحابہ اجمعین۔
وَاٰخِرُ دعوانا اَنِ الحمد للہ ربّ العالمین

سلسلہ تقاریر رسُولِ کامِل صلّی اللہ علیہ وسلّم ۳

ختمِ نبوّت اور اس کے لوازم

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝

یہ آیۂ مبارکہ جو ابھی تلاوت کی گئی ہے سورۂ فتح میں وارد ہوئی ہے ویسے اس کا جزوِ اعظم دو اور سورتوں میں یعنی سورۂ توبہ اور سُورۂ الصف میں بعینہٖ انہی الفاظ میں آیا ہے :- هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ

تین مقامات پر ایک مضمون کا دہرایا جانا قرآنِ حکیم میں یقیناً اُن الفاظ کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے ۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس آیۂ مبارکہ کو پورے قرآن مجید کا عمود قرار دیا ہے یعنی یہ وہ مرکزی خیال ہے جس کے گرد قرآنِ حکیم کے تمام مضامین گھومتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ذرا غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ سیرتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں تو یقیناً یہ الفاظِ مبارکہ "کلید" کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ انہی کے فہم پر دارو مدار ہے اس کا کہ ہم اس بات کو سمجھ سکیں کہ انبیاء و رُسُل کی مقدس جماعت میں محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی مقام کیا ہے! اس لئے کہ یہ الفاظ آنحضورؐ کے لئے قرآنِ کریم میں تین بار آئے ہیں جبکہ نہ صرف یہ کہ یہ الفاظ بعینہٖ یا اس کے قریب المفہوم الفاظ بھی کسی دوسرے نبی یا رسول کے لئے پورے قرآنِ حکیم میں کہیں وارد نہیں ہوئے ۔ ذرا ان پر توجہ کو مرتکز کیجئے ، ترجمہ یہ ہے ۔

" وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول کو (صلی اللہ علیہ وسلم) الہدیٰ کیساتھ اور دینِ حق دیکر تاکہ غالب کر دے ۔ اس کو پورے کے پورے دین پر اور کافی ہے

اللہ بطور گواہ"

ان الفاظ مبارکہ میں نبی اکرمؐ کی بعثت کی امتیازی شان سامنے آتی ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے۔ اس میں آنحضورؐ کے لئے رَسُوْلَهٗ وارد ہوا ہے یہ لفظ جس کیفیت کے ساتھ وارد ہوا ہے اُس سے اشارہ ہوتا ہے اس بات کی طرف کہ بقیہ انبیاء ورُسل کی نسبتیں اور اُن کی امتیازی حیثیات کچھ دُوسری ہیں۔ مثلاً حضرت آدم صفی اللہ ہیں۔ حضرت نوح نجیح اللہ ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ ہیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں اور حضرت عیسیٰؑ رُوح اللہ ہیں لیکن حضرت محمد رسُول اللہ ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ گویا کہ منصب رسالت جس مقدس ہستی پر اپنے نقطۂ عروج کو اور نقطہ کمال کو پہنچا ہے وہ ہے ذاتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ سے پہلے تمام انبیاء ورسُل کی بعثت صرف اپنی اپنی قوموں کی طرف ہوئی۔ سب کی دعوت قرآن مجید میں نقل ہوئی ہے لیکن اُن کا خطاب ہمیشہ ایک ہی رہا۔

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط

"اے میری قوم کے لوگو! بندگی اور پرستش اختیار کرو اللہ کی جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے"

پس معلوم ہوا کہ نبی اکرمؐ سے قبل تمام انبیاء رسلؑ کی بعثت ان کی اپنی اپنی قوموں کی طرف ہوئی تھی۔ اس مقدس جماعت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلے اور آخری نبی اور رسول ہیں جن کا خطاب پوری نوعِ انسانی سے ہے بحیثیت نوعِ انسانی۔ چنانچہ قرآن مجید میں آں حضورؐ کی دعوتوں میں بار بار الفاظ آئیں گے۔

یاایہا الناس —— اے لوگو!

چنانچہ قرآن مجید میں جب دعوت کا آغاز ہوتا ہے تو آفاقی انداز سے ہوتا ہے سورہ بقرہ کے تیسرے رکوع کی پہلی آیت ہے۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

"اے بنی نوع انسان! اپنے اس ربّ کی بندگی اور پرستش کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے"

خود حضورؐ اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرماتے ہیں یہ الفاظ آپکے خطبے میں وارد ہوئے جس کو نہج البلاغۃ کے مصنف نے نقل کیا ہے۔ اس کی رُو سے حضورؐ فرماتے ہیں۔

"اِنِّیْ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ خَاصَّۃً وَّ اِلَی النَّاسِ کَافَّۃً"۔

"اے قریش! میں اللہ کا رسُول ہوں تمہاری طرف بالخصوص اور پوری نوعِ انسانی کی طرف بالعموم"

قرآن مجید میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا

"(اے محمدؐ) ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر پوری نوعِ انسانی کے لئے بشیر و نذیر بنا کر"

اور یہی مفہوم ہے اس آیت مبارک کا

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ط

"اور (اے محمدؐ!) نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر جہانوں کیلئے رحمت بنا کر"

پس جان لیجئے کہ یہ خصوصیت صرف محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ آپ کی بعثت ہے پوری نوعِ انسانی کی جانب —— اور یہ اصل میں اس لئے ہے کہ آپ سے پہلے واقعتاً دُنیا میں Means of Communication. ذرائع رسل و رسائل ایسے نہ تھے کہ کسی ایک نبی — یا رسول کی دعوت پر پوری نوعِ انسانی کو جمع کیا جا سکتا — جو ارتقا ہُوا ہے اس میدان میں مادی وسائل و ذرائع کے سلسلے میں اس کا یہ نتیجہ ہے کہ اب اُس رسالتِ کاملہ کا ظہور ہو جسکی دعوت ہو پوری نوعِ انسانی کے لئے بیک وقت (اور جو مبعوث ہو۔ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ۔ تمام انسانوں کی جانب خواہ وُہ افریقہ کے سیاہ فام لوگ ہوں خواہ وُہ یورپ کے سُرخ رُو لوگ ہوں۔ خواہ وہ مشرق کے زرد رُو لوگ ہوں۔

ذرا آگے چلئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْهُدٰی ۔

'بالھُدیٰ' سے یہاں مراد قرآنِ حکیم ہے یہ پہلی چیز ہے جو حضورؐ لے کر مبعوث ہوئے

جو ہدایتِ کاملہ و تامّہ ہے - کاملہ ہے جو ہُدی اللنّاس ہے - ہُدیٰ اللمتقین ہے - شفاءٌ لِمَا فی الصّدور ہے - اس ضمن میں بھی ایک بات نوٹ فرمالیں - ہمارا ایمان ہے توریت بھی اللہ کی کتاب تھی، انجیل بھی اللہ کی کتاب تھی حضرت داؤدؑ کو زبور بھی اللہ ہی نے عطا فرمائی تھی بلکہ قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو بھی صحیفے عطا فرمائے گئے تھے - دیگر انبیاء و رُسل کو بھی صحیفے دیئے گئے ہوں گے - لیکن یہ کہ ان میں سے کسی کی حفاظت کا ذمّہ اللہ نے نہیں لیا تھا - ان میں سے بعض کتابیں تو دنیا سے ناپید ہوگئیں - صحفِ ابراہیمؑ کا کہیں کوئی وجود نہیں اور بعض کتابیں جو موجود ہیں، ان کے بارے میں اُن کے ماننے والے بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی اصل صورت میں موجود ہیں - نہ ہی وہ اس زبان میں ہیں جن میں وہ اصلاً نازل ہوئی تھیں - ان کتابوں کو ماننے والے خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی کتابیں محرّف ہیں — لیکن قرآن مجید کی حفاظت کا اللہ نے خود ذمّہ لیا - چنانچہ قرآن مجید میں بصراحت اس کو بیان کر دیا گیا :-

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

" ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں "

تمام آئمہ اُمّت اور تمام جمہورِ مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت مبارکہ میں " ذکر " سے مراد ' قرآن ' ہے - خود قرآن ہی میں اس کا ایک نام ' ذکریٰ ' بھی بیان ہوا ہے -

اس کی وجہ بھی سمجھ لیجئے - سابقہ کتابیں درحقیقت اسی کتابِ ہدایت کے ابتدائی ایڈیشن تھے - جس کتابِ ہدایت کا آخری اور مکمل ایڈیشن ہے قرآنِ حکیم - جس طرح انسان کے مادی ذرائع و وسائل نے ارتقائی مراحل طے کئے اسی طرح انسان کے ذہن اور شعور کا معاملہ بھی ارتقا پذیر رہا - انسان جب اپنے عقلی بلوغ کو پہنچا اپنی عقلی اور ذہنی اور فکری صلاحیتوں کے اعتبار سے پختہ (MATURE) ہوا تو یہ وہ وقت تھا کہ اب اُسے ہدایتِ کاملہ و تامّہ یعنی ابدی ہدایت مکمل طور پر دے دی جائے لہٰذا اس کی حفاظت کی بھی ضرورت تھی - اس لئے کہ اس سے پہلے کی کتابیں ابدی نہ تھیں - وُہ ہمیشہ کیلئے نازل ہی نہیں ہوئی تھیں - اس لیے ان کی حفاظت مشیت الٰہی میں تھی ھی

نہیں۔ اگر ہوتی تو نہ یہ گم ہوتیں اور نہ ہی ان میں تحریف ہو سکتی — ہمیشہ کے لئے ہدایت آخری ہدایتِ کاملہ و تامّہ وہ ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اس ہدایت نامے کو تا قیامِ قیامت نافذ العمل رہنا تھا لہٰذا اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا — ذرا آگے چلئے۔ دوسری چیز جو حضورؐ لے کر آئے یا دیکر بھیجے گئے (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ دینِ حق ہے وہ ایک نظامِ اجتماعی ہے۔ ایک ایسا نظامِ عدلِ اجتماعی، جس میں سب کے حقوق و فرائض کا ایک نہایت معتدل اور متوازن نظام موجود ہے۔ جس میں کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا یہ وہ میزان ہے جس میں سب کے حقوق و فرائض کا توازن کر دیا گیا ہے۔ اس سے تول کر ملے گا۔ قسط، عدل اور انصاف سے ہر فرد کو، ہر شخص کو اس کی ناگزیر ضروریاتِ زندگی ملیں گی۔

غور کیجئے کہ ایک نظامِ اجتماعی اس دور کے انسان کی اصل ضرورت ہے۔ ایک نظامِ عدل کی پوری نوعِ انسانی احتیاج رکھتی ہے۔ جہاں تک انفرادی اخلاقیات کا تعلق ہے۔ سابقہ انبیاء و رسل بھی اس لحاظ سے بہت بلندیوں تک پہنچ چکے تھے۔ ہمیں یہ اعتراف کرنا چاہیئے کہ ذاتی اخلاق کا جہاں تک تعلق ہے، نجی اخلاق اُس کے اعتبار سے حضرتِ مسیحؑ بھی بہت بلند مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ لیکن جس دور کے فاتح ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دور میں انسانی اجتماعیت بھی ارتقائی مراحل طے کر کے اُس مقام تک آ چکی ہے کہ اجتماعیت کا پلّہ انفرادیّت پر کافی بھاری ہو چکا ہے۔ انفرادیت اجتماعیت کے شکنجے میں کسی جا چکی ہے اب اجتماعیت کی گرفت انتہائی مضبوط ہے۔ اب ایک ایسے نظامِ اجتماعی کی ضرورت ہے۔ جس میں انفرادی سیرت و اخلاق کے ساتھ ساتھ ایک صالح معاشرہ بھی موجود ہو یعنی پوری اجتماعیّت بھی صالح ہو۔ یہ ذہن میں رکھئے کہ ابتداً قبائلی نظام کے تحت قبیلہ ہی ایک مکمل اجتماعی یونٹ بن گیا تھا سیاسی اعتبار سے بھی سماجی اعتبار سے بھی اور معاشی اعتبار سے بھی۔ پھر ذرا انسان نے ترقی کی یمدن نے ارتقا کا مرحلہ طے کیا تو شہری ریاستیں قائم ہوئیں۔ اس کے بعد انسان نے اور قدم آگے بڑھایا تو بڑی بڑی بادشاہتیں اور بڑی بڑی مملکتیں قائم ہوئیں اور بڑی بڑی سلطنتوں کا دور آیا — یہ وہ دور ہے

جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو رہی ہے - آپؐ وہ نظام لے کر آئے جو انسانوں کے مابین عدل اور قسط کی ضمانت دے - جس میں کوئی طبقہ دوسرے کے حقوق پر دست درازی نہ کر رہا ہو - جس میں نہ فرد جماعت کے بوجھ تلے سسک رہا ہو نہ جماعت اور اُس کے تقاضے انفرادیت پسندی کے بھینٹ چڑھ گئے ہوں - ایسا نظام عدل و قسط صرف دین حق ہے - جو خالقِ کل کائنات کی جانب بواسطہ اپنے آخری رسولؐ نوعِ انسانی کو دیا گیا - اسی کو قرآن "دین الحق" کہتا ہے - اب ظاہر بات ہے - کہ بہتر نظام نہایت عادلانہ نظام نہایت منصفانہ نظام اگر صرف کسی کتاب کی زینت ہو، کسی کتاب کے اوراق میں لکھا ہوا موجود ہو تو وہ نوع انسانی کے لئے حجت اور دلیل نہیں بن سکتا - حجت اور دلیل اور قاطع عذر وہ حقیقی معنوں میں اس وقت تک نہیں بن سکتا - جب تک کہ اس کو قائم کر کے اور چلا کر دکھا نہ دیا جائے - اور اس دینِ حق کی برکات و حسنات کا انسان عملی طور پر تجربہ نہ کر لے -

آپکے علم میں ہے کہ افلاطون نے بھی ایک بہت اعلیٰ کتاب لکھی — (REPUBLIC) جس میں اُس نے نظری اعتبار سے بہت عمدہ نظام تجویز کیا لیکن یہ پوری دُنیا کو معلوم ہے کہ وہ نظام کبھی ایک دن کے لئے بھی دنیا میں کسی ایک مقام پر بھی قائم نہیں ہوا چنانچہ اُس کی حیثیت UTOPIA کی ہے - وُہ ایک خیالی جنت ہے وہ ایک ایسی چیز ہے کہ جو ناممکن العمل ہے اس کی برعکس محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نظام لے کر آئے - وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہے - وہ ایک طرف اخلاقی تعلیم کا حسین ترین مرقع ہے دوسری طرف اجتماعی زندگی سے متعلق نہایت اعلیٰ وارفع معتدل ومتوازن اور منصفانہ نظام کا حامل ہے -

سُورۃ الشوریٰ میں اللہ تعالےٰ نے نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اعلان کرایا: قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ :-

"اے نبیؐ! کہہ دیجئے کہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو اللہ نے نازل

کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے مابین (نظام) عدل قائم کردوں۔

اس آیت کی رو سے آپ کا مقصدِ بعثت یہ قرار پایا کہ آپ اُس نظامِ عدل وقسط کو پورے کے پورے نظامِ زندگی پر غالب کریں قائم کریں نافذ کریں جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا چنانچہ دینِ حق کے غلبے کے لئے ایک عظیم انقلابی جدوجہد ہے، جو ہمیں سیرتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں نظر آتی ہے ایک مکمل انقلاب — تاریخِ انسانی کا عظیم ترین انقلاب وُہ ہے، جو محمدؐ عربی نے برپا کیا اور ایک مکمل انقلابی جدوجہد کا خاکہ ہے جو ہمیں آپ کی حیاتِ طیبہ کے ۲۳ برس میں نظر آتا ہے — آغازِ وحی کے بعد بلکہ صحیح تر شمسی سال و ماہ کے لحاظ سے ساڑھے ۱۲، اکیس برس کے دوران نظر آتا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ان مختصر سالوں میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا، اور اُس دینِ حق کو عملاً دُنیا میں نافذ کرکے اُس کا ایک نمونہ نوعِ انسانی کے لئے پیش کردیا۔

چوتھی چیز جو بہت نمایاں ہوکر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ اس جدوجہد میں ہم دیکھیں گے کہ قدم قدم پر مشکلات ہیں مصائب ہیں موانع ہیں۔ یہ جدوجہد نبی اکرمؐ نے خالص انسانی سطح پر کرکے دکھائی ہے۔ آپ نے وہ ساری تکلیفیں جھیلی ہیں جو کسی بھی انقلابی جدوجہد میں کسی بھی داعی انقلاب کو اور انقلابی کارکنوں کو جھیلنی پڑتی ہیں وہ تمام شدائد، وہ تمام موانع وہ تمام مشکلات وہ تمام آزمائشیں وہ تمام تکالیف اور مصائب جو جھیلنی پڑتی ہیں کسی بھی انقلاب کے علمبرداروں کو اور کسی بھی انقلاب کے کارکنوں کو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس جھیلی ہیں — اس کا بھی ایک سبب ہے۔ جس کو جان لینا چاہیئے۔ یہ انقلاب صرف عرب کے لئے نہیں تھا۔ یہ پوری نوعِ انسانی کے لئے تھا یہ پورے عالمِ ارضی کیلئے تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اُس کی تکمیل فرما دی اور اُس کے بعد عالمی سطح پر اسکی تکمیل کا فریضہ اُمت کے حوالے کرکے آپ نے

اللّٰھم فی الرفیق الاعلیٰ

کہتے ہوئے رفیقِ اعلیٰ جلّ شانہٗ کی طرف مراجعت اختیار فرمائی اب ظاہر ہے کہ بعد میں اس

انقلاب کی تکمیل جن لوگوں کو کرنی تھی اُنہیں خالص انسانی اور بشری سطح پر اس فرضِ منصبی کو ادا کرنا تھا لہٰذا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے باوجود کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ محبوبِ ربّ العالمین اور اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ علیٰ کُلِّ شَیئٍ قدیرٌ ہے ۔ وہ چاہتا تو اپنے محبوب کے پاؤں میں کانٹا تک چبھنے نہ دیتا اور آپ کا فرضِ منصبی بھی مکمل ہو جاتا ۔ لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہُوا آنحضورؐ نے ساری مصیبتیں جھیل کر ساری تکلیفیں برداشت کر کے دین کو بالفعل قائم و نافذ فرما کر اُمت پر ہمیشہ کے لئے ایک حجت قائم کر دی ہے کہ اللہ کے اس دینِ حق کو اب اُمت نے غالب اور نافذ کرنا ہے اور اس راہ کی تمام مصیبتیں جھیل کر تمام قربانیاں دے کر تمام مشکلات سے عہدہ براٗ ہو کر اب یہی کام امت نے کرنا ہے ۔ مسلمانوں نے اب یہ فرض انجام دینا ہے ۔ جب محبوب رب اللعالمین سرورِ دو عالمؐ نے مصیبتیں اٹھا کر خالص انسانی سطح پر یہ کام انجام دیا ہے تو مسلمانوں کو بھی اس کے لئے تیار رہنا ضروری ہے ۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے ۔ جو اپنی جگہ صد فیصد درست ہے کہ نبی اکرمؐ کی سیرتِ مطہرہ میں تمام انبیاء و رسُل کے اوصاف اور محاسن جمع ہیں

حُسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

لیکن ساتھ ہی وہ بات بھی پیشِ نظر رہے جو آنحضورؐ نے فرمائی کہ تمام نبیوں اور رسولوں نے جتنی تکلیفیں برداشت کیں مَیں نے تنہا وہ سب کی سب برداشت کیں ہیں ۔

فصلی اللہ تعالیٰ علیٰ محمد و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ و سلم تسلیماً کثیراً ط

وَآخر دعوانا ان الحمد للہِ ربّ العٰلمین ٥

سلسلہ تقاریر رسولِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم نمبر ۱

حیاتِ نبویؐ قبل از آغازِ وحی

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ٥ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ٥ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ٥ (سورۃ الضحٰی ۶-۸)

انبیاء ورسل کے عمومی مقصدِ بعثت اور تاریخ نبوت ورسالت اور نبی اکرمؐ کی بعثت کی امتیازی شان کے بارے میں اجمالی گفتگو کے بعد اب آیئے کہ نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف ادوار پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلے آپ کی حیاتِ طیبہ کا وہ دور جو پیدائش سے لے کر آغازِ وحی تک ہے اُس کے بارے میں واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پاس مستند اور مصدقہ معلومات بہت کم ہیں۔ البتہ اس ضمن میں اگر قرآن مجید کی طرف رجوع کیا جائے اور سورۃ والضحٰی کی تین آیات کو اپنے ذہن میں عنوانات کے طور پر تجویز کر لیا جائے جن کی میں نے آج کی گفتگو کے آغاز میں تلاوت کی ہے تو حیاتِ طیبہ قبل از آغازِ وحی کے بارے میں جو بھی باتیں مصدقہ معلومات کی بنیاد ہمارے پاس ہیں وہ تمام باتیں اور معلومات ان تین آیات کے ذیل میں بڑی خوبی کے ساتھ انہی کی شرح وتفسیر کی حیثیت سے تین عنوانات کے طور شامل ہو جائیں گی۔

جہاں تک آپؐ کی ولادت باسعادت کی تاریخ کا تعلق ہے محتاط ترین اندازوں کے مطابق آپؐ ۹ ربیع الاول عام الفیل کو پیدا ہوئے جو انگریزی تقویم کے مطابق اغلباً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بنتی ہے یہاں سے آپؐ کی حیاتِ طیبہ کا ابتدائی دور شروع ہوتا ہے جو دراصل اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ٥ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ٥ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ٥ کی مکمل تفسیر ہے۔

آپؐ اس دنیا میں تشریف لائے تو اس حال میں کہ والد ماجد عبداللہ کا انتقال آپ کی ولادتِ باسعادت سے قبل ہی ہوچکا تھا چھ سال تک والدہ ماجدہ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پانے کے بعد اللہ تعالےٰ نے اُن کا سایہ بھی آپؐ سے اُٹھا لیا۔ نتیجۃً آپؐ اپنے دادا عبدالمطلب کے زیرِ کفالت اور زیرِ تربیت آئے لیکن دو ہی سال بعد یتیمی کا ایک اور داغ آپؐ کو دیکھنا پڑا اور انتہائی محبت اور شفقت کرنے والے دادا کی شفقت و محبت کا سایہ بھی آپؐ سے اٹھا لیا گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک آپؐ اپنے بڑے تایا زبیر بن عبدالمطلب کے زیرِ کفالت رہے۔ اور پھر اپنے دوسرے تایا ابوطالب کے زیرِ سرپرستی آپؐ نے اس حیاتِ دنیوی کی ابتدائی منزلیں طے کیں۔ آپؐ نے ابتدائی دور میں شبانی (گلہ بانی) کا وہ فریضہ بھی سرانجام دیا ہے جو غالباً تمام انبیاء و رسل کا ایک مشترک وصف رہا ہے۔ جس کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے نہایت خوبصورتی سے کہا ہے۔

اگر کوئی شعیب آئے میسّر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

آپؐ نے گلہ بانی کی اور یہ بات جان لینی چاہیئے کہ عرب کے لق و دق صحرا میں، ایک ایسی فضا میں کہ جہاں دُور دُور تک کوئی متنفس نظر نہ آتا ہو۔ اوپر آسمان کا سایہ، نیچے پھیلی ہوئی زمین، اِدھر اُدھر پہاڑ — یہ درحقیقت فطرت سے قریب ترین ہونے کی ایک کیفیت ہے۔ نبی اکرمؐ نے اپنا ابتدائی دور اس کیفیت میں بسر کیا ہے گویا کہ کتابِ فطرت کا مطالعہ دل کھول کر کیا جس کی طرف ایک اشارہ ہے قرآن مجید کے آخری پارے کی سورۂ مبارکہ میں :-

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ○ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ○ (غاشیہ)

کیا یہ دیکھتے نہیں اُونٹ کی تخلیق کو! اس میں کیسی کیسی نشانیاں مضمر ہیں اللہ کی حکمت اور قدرت کی انہیں اندازہ نہیں کہ آسمان کی رفعت کیا اشارے کر رہی ہے! کیا پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جما دیئے گئے ہیں! کیا یہ غور نہیں کرتے کہ زمین کی وسعت کس بات

کی گواہی دے رہی ہے!"

یہ ہے وہ کتابِ فطرت جس کے مطالعے سے انسان اپنے فاطر کے قریب ترین آتا ہے — اور اُس کے بھرپور مواقع میسّر آئے محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل ابتدائی زندگی میں —

اس کے بعد آپؐ نے کاروبار شروع فرمایا یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ نبی اکرمؐ نے کسی خانقاہ میں تربیّت حاصل نہیں کی کسی گوشے میں بیٹھ کر کوئی نفسیاتی ریاضتیں کر کے تزکیۂ نفس نہیں کیا - آپؐ زندگی کے عین منجدھار میں رہے - آپؐ نے بھرپور زندگی بسر کی - آپؐ نے اپنے وقت کی اعلیٰ ترین سطح پر کاروبار کیا اور اس کاروبار میں آپؐ کے اخلاق، آپؐ کی سیرت و کردار کا لوہا ہے جو لوگوں نے تسلیم کیا - آپؐ کے حسنِ معاملہ اور دیانت و امانت کی وجہ سے آپؐ کو "الصّادق" اور "الامین" کا خطاب آپؐ کے معاشرے نے دیا - تو یہ خطابات ایسے ہی نہیں مِل گئے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپؐ کے کردار کا لوہا لوگوں نے اگر واقعتاً مانا ہے تو اپنے تجربات کی بنیاد پر مانا ہے -

سنن ابی داؤد میں ایک صحابی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں وُہ کہتے ہیں کہ آغازِ وحی سے قبل کسی کاروباری معاملے میں میری اور محمدؐ کی کچھ گفتگو ہو رہی تھی اچانک مجھے کوئی کام یاد آیا - اور میں حضورؐ سے اجازت لیکر چلا گیا کہ ذرا آپؐ انتظار فرمائیں میں ابھی آیا حضورؐ نے وعدہ فرما لیا کہ اچھا میں یہیں تمہارا انتظار کروں گا - میں کہیں گیا اور جا کر کچھ ایسا مصروفیات میں گم ہُوا کہ مجھے اپنا وعدہ یاد ہی نہ رہا - تین دِن بعد اچانک یہ خیال آیا کہ میں نے تو محمدؐ سے وعدہ کیا تھا - چنانچہ میں گھبرایا ہوا اُس جگہ پر پہنچا تو میں نے یہ دیکھا کہ محمدؐ وہیں مقیم تھے - آپؐ نے مجھے کوئی ملامت نہ کی، فرمایا تو صرف اس قدر کہ بہر حال میں اپنے وعدے سے پابند ہو گیا تھا کہ یہیں تمہارا انتظار کرتا — یہ واقعہ ایسا واقعہ ہے کہ اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ کسی قِسم کا تجربہ ہُوا تھا اہلِ مکّہ کو محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کا —

یہ آپؐ کا اخلاق و کردار تھا، جس کی وجہ سے آپؐ اُن کی آنکھوں کا تارا بنے۔

آپؐ کو اُنہوں نے 'الصّادق' اور 'الامین' کا خطاب دیا۔ آپ کی جوانی کے دور کے چند اور واقعات میں سے جنگ فجار میں آپؐ کی شمولیت ہے آپؐ کے تایا زبیر بن عبدالمطلب بنی ہاشم کے علمبردار تھے اور آپؐ بھی اُن کے پہلو بہ پہلو اس جنگ میں شریک ہوئے اس لئے کہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے۔ اگرچہ اس کی صراحت ملتی ہے کہ آں حضورؐ نے کسی کا خون نہیں بہایا۔ اس لئے کہ صرف قومی یا خاندانی معاملات کے لئے کسی انسانی جان کا لینا، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہ تھا۔ اس جنگ کے بعد قریش کے کچھ نوجوانوں نے ایک عہد کیا کہ جسے 'حلف الفضول' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے انہوں نے باہمی معاہدہ کیا کہ وہ ظالم کی مخالفت کریں گے مظلوم کی حمایت کریں گے۔ اور حق اور صداقت کے راستے کی تلقین کریں گے آں حضورؐ بھی اس حلف میں شریک ہوئے اور آپؐ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ آج بھی اگر اس قسم کے کسی معاہدے کی طرف مجھے دعوت دی جائے تو میں اُس پر لبیک کہوں گا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر بھی آپ کے تدبّر اور فراست کا ایک بہت ہی نادر نمونہ سامنے آیا۔ الغرض یہ جو آپ کی زندگی کا دور ہے اسی میں ہمیں وہ مظہر نظر آتے ہیں جن کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ قرآن مجید سورۂ نون، میں جس کا دوسرا نام سورۃ قلم بھی ہے:-

"وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○"

"اور (اے محمدؐ) بلاشبہ آپؐ اخلاقِ حسنہ کی بلندیوں پر فائز ہیں"

اسی کاروبار کے ضمن میں آں حضورؐ کا تعلق یا آپؐ کا معاملہ حضرتِ خدیجہؓ سے ہوا۔ ان کا معاملہ بھی یہ ہے کہ ایک طرف یہ عرب کی متمول ترین خاتون تھیں۔ چنانچہ روایات میں اس کی صراحت ملتی ہے کہ جب قریش کے قافلے سامانِ تجارت لے کر جاتے تھے تو تنہا انؓ کا سامانِ تجارت باقی تمام لوگوں کے مجموعی سامان سے زیادہ ہوتا تھا۔ پھر دُوسری طرف اُنؓ کی عفّت وعصمت، پاکدامنی کا عالم یہ تھا کہ عرب کے اُس معاشرے میں انؓ کو 'الطّاہرہ' کا خطاب دیا گیا۔ یہ گویا کہ بالکل ایک فطری اور قرینِ عقل اور قرینِ قیاس بات ہے کہ یہ

قِرَانُ السَّعْدَین ہوتا اور "الصادق" اور "الامین" کا نکاح "الطاہرہ" سے ہوتا ۔ مشیّت الٰہی میں یہی طے تھا۔ بہر حال حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی صورت میں وہ بات سامنے آتی ہے جو سورت والضحیٰ میں ان الفاظ میں وارد ہوئی:

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ

"(اے محمدؐ) اور پایا آپؐ کو تنگ دست پس (آپؐ کو) غنی کر دیا۔"

جہاں تک قلبِ محمدی کا تعلق ہے وہ تو ہمیشہ غنی تھا لیکن ظاہری اور دنیوی اعتبار سے جسے ہم تنگ دستی کہتے ہیں اُس کی اگر کوئی کیفیت نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں اب تک رہی بھی تھی تو اب جبکہ مکہ کی متمول ترین خاتونؓ آپؐ کے حبالۂ عقد میں تھیں، جو انتہائی جاں نثار اور اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے والی بیوی تھیں اسکے بعد اس دنیوی احتیاج یا کمزوری کا بھی کوئی معاملہ باقی نہ رہا۔

حضورؐ کی زندگی کا یہ دور ایک بھرپور انسانی زندگی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ ایک محبت کرنے والی جاں نثار اور وفادار بیوی رفیقِ حیات ہیں ـــــ اور اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو ان زوجہ محترمہ سے اولاد بھی عطا فرمائی۔ ایک انتہائی باعزت اور باوقعت زندگی آپ بسر فرما رہے تھے۔ لیکن اب آپؐ کے اندر داعیہ اُبھرا اور توجہ کائنات اور خالق کائنات اور عالمِ بالا کی طرف مبذول و منعطف ہوئی۔ آپ غور و فکر کا مادہ کسی اور رُخ پر پرواز چڑھنا شروع ہوا۔ چنانچہ وہ روایت ہمیں ملتی ہے۔ جسکی راویہ ہیں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بخاری شریف میں یہ روایت پہلے ہی باب میں موجود ہے کہ جب آپ کی عمر شریف ۴۰ برس کے لگ بھگ ہوئی آپؐ کو خلوت گزینی محبوب ہو گئی اور آپؐ غارِ حرا میں خلوت گزینی اختیار فرماتے تھے (حُبِّبَ اِلَیْہِ الْخَلَاءُ فَکَانَ یَخْلُوْا بِغَارِ حِرَاءٍ)۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غارِ حرا میں آپ عبادت کرتے تھے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ عبادت کس قسم کی تھی! آپؐ کسی سابقہ اُمت میں نہ تھے کسی نبی کے پیرو نہ تھے۔ کوئی عبادت کا طریقہ ایسا نہیں تھا کہ جو آپؐ کو کسی اور نبی کی پیروی یا کسی اور اُمت میں ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا اور حضرت جبرئیل سے ابھی ملاقات نہ ہوئی تھی۔ تو یہ عبادت کیسی تھی! اس کا جواب شارحین

حدیث نے یہ دیا ہے کہ :-

کَانَ صِفَۃُ تَعَبُّدِہٖ فِیْ غَارِ حِرَاءِ التَّفَکُّرُ وَالْاِعْتِبَارُ

یعنی غارِ حرا میں آپ کی عبادت غور و فکر اور عبرت پذیری پر مشتمل تھی۔ سوچ بچار کتابِ فطرت کا مطالعہ خود اپنی فطرت کی گہرائیوں میں غواصی اور نگاہ عبرت بینے ماحول کا جائزہ و تجزیہ - یہ تھی آپؐ کی غارِ حرا میں عبادت - بقول علامہ اقبال مرحوم

؏ اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

یہ غور و فکر کہ نوعِ انسانی کس حالت میں مبتلا ہے - خاص طور پر خود آپؐ کی قوم اخلاق کے اعتبار سے کتنی پستی میں مبتلا ہو چکی ہے - کس طرح کے شرک کا دور دورہ ہے - معبودِ حقیقی سے لوگ کس طرح اپنا رُخ موڑ چکے ہیں - یہ سارا غور و فکر نوعِ انسانی کی ضلالت اور گمراہی پر وہ بھاری رنج و غم جس کے بارے میں قرآن مجید میں بار بار گواہی ملتی ہے -

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ -

"کیا آپ اپنے کو اس رنج اور صدمے کی وجہ سے ہلاک کریں گے

کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے"

یہ وہ کیفیات تھیں جن کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں اعتکاف فرما رہے تھے - اسی عالم میں پڑے اٹھتے ہیں اور صرف پڑھے ہی نہیں اٹھتے بلکہ آپؐ پوری نوعِ انسانی کی ہدایت پر مامور کئے جاتے ہیں - اور آپؐ کا دورِ دعوت تا قیامت مقرر کیا جاتا ہے -

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
اٹھتے ہیں حجاب آخر کرتے ہیں خطاب آخر

یہ ہے تفسیر سورۃ الضحیٰ کے ان الفاظ کی :-

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ○

"اور اللہ نے، پایا آپؐ کو (حقیقت کی تلاش میں) سرگرداں تو آپؐ پر راہ ہدایت منکشف کر دی"

گویا غارِ حرا کی خلوتوں میں آپ حقیقت کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے۔

دروازے کھول دیئے گئے پردے اُٹھا دیئے گئے ۔ حضرت جبرائیل امین سے
ملاقات ہوئی وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے ۔
کہ یہ پہلی ملاقات جس میں نزول وحی کا آغاز ہوا ، بین النوم و الیقظۃ
یعنی بیداری اور نیند کے بین بین کی سی کیفیت نیم بیداری کے عالم میں ہوئی ۔
بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لکھی ہوئی تختی تھی جس پر آیات مرقوم تھیں ۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ
الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝
الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ
يَعْلَمْ ۝ (سورۃ العلق)

تین مرتبہ حضورؐ نے فرمایا :-
مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ "میں پڑھ نہیں سکتا"
اور حضرت جبرائیلؑ نے آپؐ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور اس کے
بعد اس وحی کا آپؐ کے قلبِ مبارک میں نقش قائم ہو گیا ۔ یہاں سے گویا محمد
رسول اللہ علیہ وسلم کا آفتابِ رسالت طلوع ہو گیا ۔ اس کے بعد نزول وحی
میں کچھ وقفہ رہا ہے پھر جب آیات نازل ہوئیں ۔ سورۃ مدثر کی یہ ابتدائی آیات ۔

یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝
اے لحاف اوڑھ کر لیٹنے والے اُٹھ کھڑے ہو جائیے ۔ کمر کس لیجئے
فریضہ رسالت کی ادائیگی میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف ہو جائیے اور اپنے
رب کی کبریائی کا اعلان کیجئے اور اس کی کبریائی کو فی الواقع دنیا میں قائم کیجئے ۔
یہ ترجمانی ہے ۔ سورہ المدثر کی ابتدائی تین آیات کی ۔

بہت سے محققین کی یہ رائے بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے کہ سورۃ العلق کی
ابتدائی پانچ آیات سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز ہوا اور سورۃ
المدثر کی ان ابتدائی آیات سے آپ کی رسالت کا آغاز ہوا ۔ واللہ اعلم ۔
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

جاری

نبی اکرمؐ کی اصل جلالتِ قدر اور عظمتِ شان

کو کوئی انسان نہیں جان سکتا، مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ:

"بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر!!"

ہمارے لئے اصل قابلِ غور مسئلہ یہ ہے کہ:

کیا ہم آپؐ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں؟

اور کیا آپؐ سے ہمارا تعلق صحیح بنیادوں پر قائم ہے؟؟

اس لئے کہ اسی پر ہماری نجات کا دار و مدار ہے!!

ماہ ربیع الاوّل میں ڈاکٹر اسرار احمد

کی مختصر لیکن نہایت مؤثّر تالیف:

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے

ہمارے تعلّق کی بنیادیں

کو زیادہ سے زیادہ پھیلا کر اس اصل مسئلے کی جانب متوجّہ کرنے کی کوشش میں حصّہ لیں

قیمت فی نسخہ -/۲ ——— فی سینکڑہ -/۱۵۰

پارہ نمبر ۲۱

قرآن حکیم کا اکیسواں پارہ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے ۔ اس میں ابتداً سورۃ العنکبوت ہے جس میں ۴۵ آیات ہیں ۔ پھر سورۃ روم، سورۃ لقمان، سورۃ السجدہ اور آخر میں سورۃ احزاب کی ابتدائی تیس آیات ہیں ۔ سورۃ العنکبوت نبی اکرمؐ پر سن چار، پانچ نبوی میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب مکہ کی سرزمین میں اہل ایمان شدید مسائل سے دوچار تھے ۔ اور کفار و مشرکین ان کو ہر ممکن طریقے سے ستا رہے تھے ۔ ان شدائد و مصائب میں اہل ایمان کو جو خصوصی ہدایات دی گئی ہیں وہ سورۃ العنکبوت کے اس حصے میں ہیں جو اس پارے میں شامل ہے سب سے پہلی ہدایت یہ ہے ۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ تلاوت کیا کرو اس کی کہ جو نازل کی گئی تمہاری طرف کتاب الٰہی اور نماز قائم رکھو نماز فحش، بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے ۔ یعنی اس راہ میں صبر و ثبات اور استقامت کیلئے بندہ مومن کا اصل ہتھیار اللہ کا ذکر ہے ۔ اس کے ذریعے اسے وہ ہمت مل سکتی ہے جس کے بل بوتے پر شدید ترین حالات میں بھی ثابت قدم رہے ۔ ایک دوسری ہدایت یہ دی گئی ۔ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ اہل کتاب سے اگر کہیں مناظرے یا بحث کی صورت پیدا ہو تو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ کرو ۔ اور بڑی ہی نرمی کے ساتھ انہیں ایمان کی دعوت دو اور اپنا دین ان کے سامنے پیش کرو ۔

ایک تیسری ہدایت بہ دی گئی بلکہ راہنمائی فرمائی گئی یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ ؀

اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین بہت کشادہ ہے پس تم صرف میری ہی بندگی کرو۔ یعنی اگر مکے کی سرزمین تم پر تنگ کر دی گئی ہے اور یہاں رہتے ہوئے تمہارے لئے صرف خدائے واحد کی پرستش ناممکن بنا دی گئی ہے تو اس سرزمین کو چھوڑ کر تم کسی طرف ہجرت کر جاؤ تم اللہ کی زمین کو بہت کشادہ پاؤ گے۔ یہ درحقیقت تمہید تھی ہجرتِ حبشہ کی۔ اس سورۃ مبارکہ کی آخری آیت اس راہ کے مسافروں کے لئے راہِ حق کے مسافروں اور اللہ تعالےٰ کے طالبوں کے لئے بہت ہی دل خوش کن ہے اس لیئے کہ اس میں اللہ تعالےٰ بڑا موثر وعدہ فرماتا ہے۔

وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ؀

جو لوگ ہماری راہ میں محنت کریں گے۔ کوشش کریں گے جدوجہد کریں گے۔ مجاہدہ کریں گے وہ مطمئن رہیں کہ ہمارا پختہ وعدہ ہے ان کے ساتھ۔ ہم ان کیلئے اپنے راستے کھولتے چلے جائیں گے۔ اگر کسی وقت کوئی مشکل نظر آئے تو ہراساں نہ ہوں، ہمت نہ چھوڑیں۔ اس لئے کہ اس مشکل وقت میں اگر ثابت قدم رہے تو اللہ تعالےٰ تمہارے لئے آسانیاں بھی پیدا فرما دے گا۔ سورۃ عنکبوت کے بعد قرآن مجید میں تین سورتیں سورۃ عنکبوت ہی کی طرح الٓمّٓ کے حروف سے شروع ہوتی ہیں اور ان کے مضامین میں بڑی مشابہت ہے۔ سورۃ الرُّوم کا آغاز ایک پیش گوئی سے ہوتا ہے۔ مملکت رُوم اور سلطنتِ ایران کے درمیان کئی سو سال سے ایک کشمکش چلی آ رہی تھی۔ کبھی سلطنت روم کا پلڑا بھاری ہو جاتا تھا اور کبھی حکومتِ ایران کا۔ اس وقت جب سُورۃ عنکبوت نازل ہو رہی تھی اور مکے کی سرزمین میں مسلمانوں کو تنگ کیا جا رہا تھا۔ صورت حال ایسی پیدا

ہوئی کہ ایران کو رُوم پر فتح حاصل ہوگئی اہل ایمان اپنے آپ کو رُومیوں سے قریب سمجھتے تھے اس لئے مسلمانوں کو وقتی طور پر دل شکستگی کا سامنا ہوا۔ انہیں یہ نوید جانفزا دی گئی کہ اگرچہ قریب کی سرزمین میں فی الوقت رُوم مغلوب ہوگیا ہے۔
غُلِبَتِ الرُّومُ ۙ فِیْۤ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ط اہل روم مغلوب ہوگئے نزدیک کے ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔

چندہی برسوں میں انہیں دوبارہ غلبہ حاصل ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی اور عین اس وقت جب بدر کی زمین پر اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی۔ رومیوں کو بھی ایرانیوں پر ایک فیصلہ کن فتح عطا فرمائی۔ سورۃ روم کی ایک اور آیت بھی بہت قابل توجہ ہے
ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ ہ
بحر و بر میں اگر فساد کا ظہور ہوتا ہے تو یہ سب انسانوں کی اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالٰی فساد کی حوصلہ افزائی بھی نہیں فرماتا لیکن اگر انسان غلط روی ہی کو اختیار کرلیں اور اسی پر ہی اڑے رہیں۔ فطرت کی راہ کو چھوڑ کر، عقل سلیم کی راہ کو چھوڑ کر غلط راہ اختیار کرلیں تو اس زمین میں فساد ہو جاتا ہے۔ اس کا اصل سبب انسانوں کی اپنی بداعمالیاں ہیں۔ اس کے بعد سورۃ لقمان آتی ہے۔ یہ سورۃ بھی تمام مکی سورتوں کے مشابہ ہے۔ اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ عرب کی ایک قدیم شخصیت، حضرت لقمان کا ذکر ہوا۔ حبشی النسل اور پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے۔ لیکن اللہ کی دین ہے اللہ نے ان کو عقل اور دانائی عطا فرمائی۔ حکمت و دانش سے نوازا۔
ان کی وہ قدر افزائی کہ تا قیامت ان کے ذکر کو اپنے کلام پاک میں زندہ جاوید کر دیا۔ ان کی نصیحتوں میں اوّلین یہی تھی۔ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ط
اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ہ اے میرے بچے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجیو۔

اس لئے کہ شرک بہت بڑا ظلم اور بہت بڑی ناانصافی ہے ۔ حضرت لقمان کے یہ نصائح واقعتاً آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں ۔ اور نوجوانوں کی رہنمائی کیلئے بہت بڑا سامان اپنے اندر رکھتے ہیں ۔ اس کے بعد سورۃ سجدہ آئی یہ سورۃ مبارکہ بڑی ہی پُرہیبت اور پُرجلال انداز کی حامل ہے ۔ شائد یہی سبب ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ سجدہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے ۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ کی تخلیقی شان کا ذکر ہوا ۔

اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے بہترین انداز میں پیدا فرمایا ہے ۔ ہر چیز جو بھی تخلیق فرمائی ہے بہترین ساخت میں تخلیق فرمائی اور انسان کی تخلیق کا آغاز مٹی سے کیا ۔ سورۃ سجدہ کے بعد قرآن مجید میں سورۃ احزاب ہے ۔ اس کا جو حصہ اس پارے میں شامل ہے ۔ اس میں سب سے اہم ذکر غزوہ احزاب کا ہے ۔ یہ ۵ھ میں واقع ہوا ۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اہل ایمان کے لیے شدید ترین مصائب کا دور اور شدید ترین آزمائش کا مرحلہ لگ بھگ بارہ ہزار کا لشکر مدینہ کے گرد محاصرہ کئے ہوئے پڑا تھا جس میں یہودی بھی تھے قریش مکہ بھی تھے ۔ قبائل غطفان بھی تھے گویا کہ ہر چہار طرف سے کفر کی ساری قوتیں امڈ کر آگئی تھیں اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ایک چراغ ہے جو جل رہا ہے ۔ اور اسے بجھانے کے لئے جھکڑ چل رہے ہوں ۔ اس وقت اہل ایمان کی آزمائش ہوگئی ۔ چنانچہ منافقین کے دل کا روگ ان کی زبان پر آگیا ۔ انہوں نے یہ الفاظ کہے ۔ مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدے کئے ہمیں سبز باغ دکھائے ہم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ہمارے قدموں میں ہوں گی ۔ اور حال ہمارا یہ ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لئے بھی باہر نہیں نکل سکتے ۔ اس کے بالکل برعکس قول تھا اہل ایمان کا ۔ انہوں نے کہا

هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔ وَمَا

زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ط ۔ یہی تو ہے جس کا وعدہ لیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ۔ اور بالکل سچ کہا تھا اللہ نے بھی اس کے رسول نے بھی ۔ اور اس سے ان کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہو گئی ۔ اہل ایمان کی نگاہ تھی اس تنبیہ کی طرف جو ہجرت کے فوراً بعد سورۃ بقرہ میں وارد ہو چکی ہے ۔

لہٰذا انہوں نے اس شدید آزمائش کو دیکھ کر فوراً کہا کہ یہی ہے کہ جس کی خبر ہم کو دی گئی تھی ۔ اس سورۃ مبارکہ میں وہ آیت بھی وارد ہوئی ہے ۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط

اے مسلمانو! تمہارے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں ایک انتہائی تابناک اور ایک انتہائی کامل نمونہ موجود ہے ۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات سے گفتگو شروع ہو گئی ۔ لیکن اس گفتگو کا اکثر حصہ اس سورۃ کی ان آیات میں ہے کہ جو اگلے پارے میں آئیں گی ۔

پارہ نمبر ۲۲

قرآن کا بائیسواں پارہ "وَمَنْ يَّقْنُتْ" سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے ۔ اس میں اوّلاً سورۃ احزاب کی بقیہ ۴۳ آیات شامل ہیں پھر سورۃ سبا اور پھر سورۃ فاطر اور آخر میں سورۃ یٰسٓ کی ۲۱ آیات ۔ سورۃ احزاب کا جو حصہ اس پارے میں ہے اس میں اکثر و بیشتر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات یعنی اُمّت مسلمہ کی ماؤں سے خطاب ہے اور درحقیقت ان کی وساطت سے ہدایات دی گئی ہیں تمام مسلمان خواتین کو ۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں بھی سورۃ نحل ہی کی طرح اسلامی تہذیب و تمدن بالخصوص مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے متعلق بڑی تفصیلی ہدایات ہمیں ملتی ہیں ۔ ازواج مطہرات سے ارشاد ہوتا ہے ۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ط اے نبی کے گھر والو

اللہ یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر گندگی کو، ہر بُرائی کو ہر نجاست کو دُور کر دے اور تمہیں پاک کر دے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ چنانچہ احکام جو دیئے جا رہے ہیں۔ یہ درحقیقت تمہیں کسی تنگی میں ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ اسلامی معاشرے کو بُرائی، فحش اور بدکاری سے پاک کرنے کے لئے ہیں چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں ازواج مطہرات حضورؐ کی بنات اور عام مسلمانوں کو حکم ہوا۔ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ اگر انہیں کبھی کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو انہیں چاہیئے کہ اپنی بڑی چادریں سامنے لٹکا لیا کریں گویا کہ پردے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اسی طرح اسی سورۃ میں مسلمانوں کو بھی حکم ہوا کہ اگر کبھی نبیؐ کی ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

اسی آیۃ مبارکہ میں جو لفظ حجاب وارد ہوا ہے۔ اس پر غور کرنا چاہیئے ان لوگوں کو جنہیں یہ مغالطہ لاحق ہو گیا ہے کہ قرآن مجید میں پردے کا حکم نہیں وارد ہوا ہے قرآن مجید میں مُسلمانوں کی تہذیبی زندگی اور معاشرتی زندگی کے بارے میں تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سورۃ مبارکہ میں نبی اکرمؐ کی شان بھی بڑی جامعیت کے ساتھ بیان ہوئی۔

اے نبیؐ ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر۔ اللہ کی توحید کا گواہ۔ حق و صداقت اور عدل و راستی کا گواہ اور مبشر بنا کر (بشارت دینے والا، راست بازوں کو)۔ اور نذیر بنا کر (خبردار کر دینے والا کج روؤں اور غلط روی اختیار کرنے والوں کو) وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ، اللہ کی طرف بلانے والا وسراجاً منیراً اور ہدایت کا ایک روشن چراغ بنا کر۔ نبی اکرمؐ کی شان ان پانچ الفاظ میں واقعتاً بڑی جامعیت کے ساتھ بیان ہوئی۔ اسی سُورۃ مبارکہ میں حضورؐ کی ختم نبوّت کا اعلان بھی ہوا۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۝

محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں

ہیں ۔ اللہ نے انہیں بیٹیاں تو دی ہیں لیکن مسلمانوں میں سے کوئی مرد ان کا بیٹا نہیں ہے ۔ حضرت زید رضؓ آپکے منہ بولے بیٹے تو ضرور تھے لیکن ان کو دین میں اور شریعت میں بیٹے کا مقام حاصل نہیں ہے ۔ وہ تو اللہ کے رسول ہیں ۔ دین کی تکمیل اور اتمام کے لئے تشریف لائے ہیں اور نبوّت کا دروازہ اُن کی آمد پر بند ہو چکا ہے گویا کہ اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے ۔ اس سُورۃ مبارکہ کا اختتام بھی بڑے جامع الفاظ میں ہوا ہے ۔

اے اہل ایمان ! اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنی زبان کی محافظت کرو کہ اس سے کوئی غلط بات نہ نکلنے پائے اس سے وہی بات نکلے جو درست ہو اور صحیح ہو۔ اس کے نتیجے میں اللہ تمہارے عمل کو بھی درست کر دے گا ۔ اس کے آخیر میں یہ بھی فرمایا کہ اے انسانو! تم ایک عظیم امانت الٰہی کے حامل ہو۔ وہ امانت کہ جس کی عظمت کا عالم یہ ہے کہ جس کو نہ پہاڑ اٹھا سکے نہ آسمان نہ زمین یہ وہ امانت ہے ک

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

وہ رُوحِ ربّانی اس انسان میں اس کے خاکی پتلے میں پھونکی گئی ہے انسان کو اپنا مقام پہچاننا چاہیئے جیسے علامہ اقبال نے کہا ۔ ع اپنی خودی پہچان او غافل انسان

اس کے بعد سورہ سبا میں اور سورہ فاطر میں اکثر و بیشتر وہی مضامین جو اکثر مکّی سورتوں میں وارد ہوئے ہیں ، اسلوب اور اندازِ بیان کے معمولی فرق کے ساتھ وارد ہوئے ہیں وہی توحید کی دعوت ، وہی معاد یعنی آخرت کا اثبات وہی نبوت اور رسالت کا اثبات ۔ سورہ سبا میں حضرت داؤد علیہ السّلام کا ذکر بھی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا بھی ۔ مزید براں سیلِ ارم کے واقعات بیان ہوئے یعنی وہ سیلاب جو آبپاشی کے لئے تعمیر شدہ ایک بڑے بند کے ٹوٹنے سے یمن کی سرزمین میں آیا ۔ اور جس کے بعد وہاں ایک بڑی عظیم ہلاکت سے لوگ دوچار ہوئے اور وہ زمین ویران ہو کر رہ گئی ۔ اس کے بعد قرآن مجید میں "سورہ یٰسین" آتی ہے جسے

نبی اکرمؐ نے قرآن کا دل قرار دیا ہے - اس سورہ مبارکہ کا اکثر حصہ تو اگلے پارے میں ہے - لیکن یہ شروع اس پارے سے ہوئی ہے فرمایا گیا : - قسم ہے قرآن حکمت والے کی - یہ قرآن بڑی ہی حکمت کی حامل کتاب ہے - اس کے مضامین بڑے محکم ہیں - جیسا کہ اس سے پہلے سورہ ہود کے آغاز میں فرمایا گیا یہ حکمت والا قرآن گواہ ہے اس پر - عربی زبان میں اور خاص طور پر قرآن مجید میں جو قسمیں کھائی گئی ہیں تو ان کا مفہوم بالعموم گواہی کا ہے کہ گواہ ہے قرآن مجید اس بات پر کہ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ - اے محمدؐ آپ یقیناً اللہ کے رسولوں میں سے ہیں - واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کا عظیم ترین معجزہ قرآن حکیم ہے - آپ کی نبوت اور رسالت کا سب سے بڑا ثبوت قرآن حکیم ہے - سابق انبیاء کو بھی بڑے بڑے معجزے دیئے گئے - حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا کا معجزہ - ید بیضا کا معجزہ - حضرت عیسیٰؑ کے بڑے بڑے معجزے احیائے موتی کا معجزہ - مردوں کو زندہ کر دینا - پرندے بنائے اور ان میں پھونک مارنے سے ان کا اڑتے ہوئے پرندوں کی شکل اختیار کر لینا بڑے عظیم معجزات ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ سب قرآن مجید کے مقابلے میں ہیچ ہیں - اس لئے کہ وہ تمام معجزات صرف اُن رسُولوں کی زندگیوں تک تھے جنہیں وہ عطا کئے گئے - اور یہ معجزہ جو محمدؐ عربی کو عطا کیا گیا وہ قائم و دائم ہے تا قیام قیامت رہنے والا ہے - بلکہ تا قیام قیامت ہی نہیں بلکہ ابدالآباد تک کے لئے - اس لئے کہ روایات میں آتا ہے کہ اہل جنت سے اللہ تعالےٰ قرآن حکیم سنیں گے اور فرمائیں گے قرآن کے پڑھنے والوں سے کہ قرآن پڑھو اور بلند سے بلند مراتب کی طرف ترقی کرتے چلے جاؤ - تمہارا آخری قیام وہ ہو گا - جہاں تم قرآن کی آخری آیت پڑھو گے - تو واقعہ یہ ہے کہ ہمیں قرآن مجید کی عظمت کو پہچاننا چاہیئے کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت و رسالت کا زندۂ جاوید ثبوت ہے -

تعزیت کا اِسلامی طریقہ

ازقلم : محمد یونس جنجوعہ ایم اے - ایڈ، جنڈیالہ شیرخاں (ضلع شیخوپورہ)

ہندو اور مسلمان سینکڑوں سال تک برصغیر میں اکٹھے رہتے رہے چنانچہ مذہبی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے سماجی طور طریقوں سے متاثر ہوئے - آج ہم یہاں کے مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو اُن میں ایسے ایسے رسم ورواج ملتے ہیں جن کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ اسلامی لٹریچر میں جن چیزوں کا وجود نہیں وہ نہایت شدومد کے ساتھ رائج ہیں - یہ رسم ورواج یہاں کے مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کا جزو لاینفک بن چکی ہیں خاص طور پر شادی بیاہ کے موقعہ اور موت ہوجانے کی صورت میں رسومات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جو طرح طرح کی دشواریوں کا باعث بنتا ہے لیکن کون ہے جو صحیح اسلامی احکامات پر عمل کرکے دکھلائے اور مسلمانوں کی گردنوں سے یہ مصنوعی طوق اتارے -

میثاق کے صفحات اور مقامی اخبارات شاہد ہیں کہ مدیر میثاق جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے بچوں کی شادیاں نہایت سادگی کے ساتھ مسنون طریقے سے انجام دے کر عملاً عہدِ صحابہ کی یاد تازہ کر دی ہے - یہاں نہ کوئی بارات تھی نہ باجے گاجے، نہ کوئی جہیز تھا نہ سہرہ، نہ محفل نکاح کا غیر سنجیدہ ماحول تھا نہ لڑکی والوں کے ہاں کی دعوت - مسجد میں نکاح منعقد ہوا، حاضرین میں چھوہارے تقسیم کئے گئے - حاضرین کو قرآن پاک کی تلاوت کے رُوح پرور ریکارڈ سنائے گئے - لڑکے والوں نے سُنّت نبویؐ کے مطابق دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کیا جس میں اعزّہ اور دوست احباب کو مدعو کیا گیا اور بس -

شادی کی رسومات کا تذکرہ بے سود ہوگا کہ ہم سب ان سے واقف ہیں اسی طرح غمی کے موقعہ پر بھی تعزیت کی رسومات مہینوں تک پھیل جاتی ہیں میت کے پس ماندگان کے ہاں دوست احباب اور رشتہ داروں کی آمد کا سلسلہ

شروع ہو جاتا ہے۔ طرح طرح کے کھانوں سے اُن کی تواضع کی جاتی ہے۔ بعض اوقات عمر رسیدہ لوگوں کے جنازے پر باجے بجائے جاتے ہیں اور پیسے برسائے جاتے ہیں، رسوما کی ادائیگی کے لئے یوم وفات سے اگلے دن پھر ساتویں دن پھر دسویں دن، چالیسویں دن اور پھر سال بعد اجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں جن پر نمود و نمائش کی خاطر چار و ناچار بڑی بڑی رقوم خرچ کی جاتی ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ ثواب کی اُمید بھی رکھی جاتی ہے حالانکہ ثواب کا کام تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو شارع علیہ السلام کے اُسوہ حسنہ اور صحابہ کرام کے طرز عمل کے مطابق ہو۔

ممتاز صحابی رسول حضرت معاذ بن جبل رضؓ کا بیٹا فوت ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے انہیں تعزیت نامہ لکھا جو معارف الحدیث جلد سوم از مولانا محمد منظور نعمانی میں حرف بحرف مذکور ہے تعزیت نامے کی عربی عبارت کا ترجمہ مذکورہ کتاب سے درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام

سلام علیک!

میں پہلے تم سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں (بعد ازاں) دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ تم کو اس صدمہ پر اجر عظیم دے اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل وعیال یہ سب اللہ تعالےٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سپرد کی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی تمہارے پاس اللہ کی امانت تھا) اللہ تعالےٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوتی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے صبر کیا ــــ پس اے معاذ! صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمہارے قیمتی اجر کو غارت کر دے اور پھر تمہیں ندامت ہو کہ (صدمہ بھی پہنچا اور ساجر سے بھی

محرومی رہی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے رنج و غم دور ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے بلکہ یقیناً ہو چکا ہے - والسلام (بحوالہ معجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

تعزیت نامے کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے پس ماندگان کے حق میں اجر عظیم کی دعا کی ہے اور صبر و شکر کی تلقین کے ساتھ ساتھ جزع و فزع سے روکا ہے -

پس اسوہ حسنہ کی روشنی میں میت کے پس ماندگان کے ساتھ اظہار ہمدردی اور تعزیت کے یہ موزوں ترین الفاظ ہیں جو ملاقات کی صورت میں زبانی اور بصورت دیگر بذریعہ خط کہے جا سکتے ہیں

اس اشاعت سے
میثاق کا سالانہ زرِ تعاون
بیس ۲۰/ سے بڑھا کر تیس ۳۰/ روپے کیا جا رہا ہے

(ہر شمارے کی قیمت -/۳ ہو گی)

البتہ ۳۱ دسمبر ۸۱ء سے قبل جو حضرات "میثاق" کے مستقل خریدار تھے اُن کی مدتِ خریداری سابق حساب سے ہی شمار ہو گی - لیکن اس کے بعد اُن سے بھی اضافہ شدہ شرح ہی کے مطابق زرِ تعاون وصول کیا جائے گا -

(مینجر "میثاق")

ھــرمُسلمَان پر

حسب صلاحیت و استعداد

قرآن مجید

کے مندرجہ ذیل پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں

① ـــ ایمان و تعظیم ـــ یہ کہ اُسے مانے

② ـــ تلاوت و ترتیل ـــ یہ کہ اُسے پڑھے

③ ـــ تذکّر و تدبّر ـــ یہ کہ اُسے سمجھے

④ ـــ حکم و اقامت ـــ یہ کہ اُس پر عمل کرے

⑤ ـــ تبلیغ و تبیین ـــ یہ کہ اُسے دوسروں تک پہنچائے

ان حقوق سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنے کے لیے

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی شہرہ آفاق تالیف

"مُسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"

کا مطالعہ اِن شاء اللہ العزیز بے حد مفید ہوگا

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

جنوبی ہند میں پندرہ دن

چھٹی قسط

انر: قاضی عبدالقادر

۲۲ جنوری جمعرات

فجر کی نماز نواب مسجد میں ادا کی اور اس کے بعد حسب معمول میٹھے توس اور چائے سے ناشتہ کیا آٹھ بجے ہوٹل کا لڑکا ناشتہ لایا۔ وہی قیمہ اور روٹی اور چائے رات شمس پیرزادہ صاحب سے ڈاکٹر صاحب کی جو گفتگو ہوئی تھی وہ مکمل نہیں ہو سکی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے صبح دس بجے اُن کے دفتر آنے کا وعدہ کیا تھا چنانچہ ہم دس بجے سے قبل اُن کے دفتر پہنچ گئے۔

مدراس جاتے ہوئے بمبئی میں مولانا علی میاں صاحب سے ملاقات کے وقت حاجی اکبر خان صاحب اور نور الدّین آزاد صاحب سے ملاقات ہوئی تھی جنہوں نے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا کہ واپسی پر اُن سے ضرور ملاقات کی جائے تاکہ ڈاکٹر صاحب کا کوئی پروگرام بمبئی میں رکھا جا سکے۔ اکبر خان صاحب کا فون نمبر میرے پاس تھا۔ فون کرنے کی بہت کوشش کی۔ شاید فون خراب تھا اس لئے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ نور الدّین آزاد صاحب کے گھر کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ شمس پیرزادہ صاحب سے پتہ معلوم کیا۔ فرمانے لگے کہ قریب ہی ہے۔ اپنے ادارہ کے ایک کارکن مہدی حسن کو ساتھ کر دیا۔ وہ چند گلیاں چھوڑ کر مجھے اُن کے گھر پر لے گیا۔ گھر سے پتہ چلا کہ وہ دکان پر ہیں۔ دکان کا پتہ کر کے وہاں پہنچے تو نور الدّین آزاد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ بہت ہی محبت اور تپاک سے پیش آئے بھنڈی بازار کے چوک میں مرکزی جگہ پر اُن کی دکان ہے۔ خوش نویسی

کاکام کرتے ہیں ۔ بہت ہی نفاست سے کتابت کرتے ہیں ۔ خوش نویسی کے علاوہ پبلشنگ کا کام بھی کرتے ہیں ۔ انہوں نے مرّقع چغتائی کی طرح دیوانِ غالب شائع کیا ہے ۔ بہت بڑے سائز پہ ہے ۔ ہر ورق ایک طرف اشعار اور دوسری جانب تصویر سے مزّین ہے ۔ اُردو اور ہندی دونوں ہیں علیحدٰہ علیحدٰہ چھپوائے ہیں ۔ صدرِ مملکت ، نائب صدرِ مملکت ۔ وزیرِ اعظم مسز اندرا گاندھی اور دیگر اکابرین کی خدمت میں بھی بذاتِ خود پیش کیئے جس کے فوٹو بھی ہمیں دکھائے ۔ میں کچھ دیر تک تو دیوان دیکھتا رہا ۔ لیکن اس میں فحاشی اور عُریانی پاکر مزید دیکھنے کی تاب نہ رہی — بعد میں جب انہوں نے اسے ڈاکٹر صاحب کو دکھایا تو تصاویر میں کہیں کہیں فحاشی و عریانی کی شدید معذرت کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ایڈیشن کو اس سے پاک کردیں گے — ہندوستان ہو یا پاکستان معاشرہ اس قدر بگڑ چکا ہے کہ جس کتاب یا رسالہ میں عریانیت اور فحاشیت جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی وہ فروخت ہوگا دونوں ملکوں میں ڈائجسٹوں کی بھرمار ہے ۔ ٹائٹل پر عریاں سے عریاں عورت کی فوٹو شائع کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش ہوتی ہے ۔ وہ تو ملک کا قانون کچھ آڑے آجاتا ہے ورنہ چند پیسوں کے لیئے قوم کے نوجوانوں کا اخلاق بگاڑنے میں انہیں عریانیت کی آخری حد پھلانگنے میں بھی کوئی باک نہ ہو — وہ جو کسی نے کہا ہے کہ ہر دور کا ایک شرک ہوتا ہے اور اس دور کا سب سے بڑا بُت پیسہ ہے ۔ پیسہ ہی سب کچھ ہے ۔ یہی آج کے انسان کا معبود ہے ۔ اس کے حصول میں جائز ناجائز کی کوئی تمیز نہیں ۔ ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال ہوتے ہیں ۔ کسی پر ظلم ہو ، ہوا کرے قوم کا اخلاق بگڑے ، بگڑا کرے ، کسی کے حقوق پر ڈاکہ پڑے پڑا کرے ، پیسہ چاہیئے ۔ معیارِ زندگی کو بڑھانے کی ایک دوڑ ہے ایک مسابقت ہے — کسی زمانہ میں لوگ دین کے معاملہ میں اپنے سے اوپر والے کو اور دنیا کے معاملہ میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھتے تھے — شیخ سعدی کی ایک حکایت کے مطابق کوئی ننگے پیر تھا اُس نے خدا سے جوتوں کے لیئے دُعا کی لیکن جب ایک کٹے ہوئے پیر والے شخص کو دیکھا تو اُس نے شکر کیا کہ چلو جوتے پاس نہ سہی میرے پیر تو سلامت

ہیں۔ آج معاملہ اُلٹا ہے کہ دنیا کے معاملہ میں اپنے سے اُوپر والے کو اور دین کے معاملہ میں اوّل تو دیکھتے ہی نہیں اور اگر دیکھتے ہیں تو اپنے سے نیچے والے کو ـــ اور اسی سے ساری خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ؎

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

انگریز کی غلامی سے آزاد ہوئے دونوں ملکوں کو ۲۳ سال سے زائد ہو چکے ہیں یعنی تقریباً ایک تہائی صدی لیکن ابھی تک ہم مغرب کی غلامی میں جکڑے ہوتے ہیں ۔ اُس سے ابھی تک آزاد نہیں ہوسکے بلکہ آزاد ہونا ہی نہیں چاہتے۔ انگریز چلے گئے لیکن کالے انگریز چھوڑ گئے ۔ یہ لارڈ میکالے کے اُس تعلیمی نظام کا اثر ہے جس کا مقصد اُس نے ان الفاظ میں بتایا تھا کہ : " ہماری تعلیم کا مقصد ملک کے اندر ایسے افراد پیدا کرنے ہیں جو رنگ نسل کے لحاظ سے ہندی ہوں مگر دل و دماغ کے لحاظ سے پورے یوروپین ہوں "۔

غلامی کی ان زنجیروں کو کاٹ پھینکنا اب وقت کا تقاضہ ہے ۔ مغرب کی غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرنا وقت کی پکار ہے ؎

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

لیکن اس کے لئے کوئی عزم تو ہو، کوئی جذبہ صادق تو ہو، افسوس کہ آج ہم میں یہی عزم اور یہی جذبہ ناپید ہے اس کے لئے ایک دل زندہ کی ضرورت ہے

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

ورنہ اگر ضمیر کی رُوح ہی پرواز کر جائے تو پھر ہم کس سے احتجاج کریں ۔ کس سے شکایت کریں اور کس سے شکوہ ۔ پھر ہماری اس زندگی کا حاصل کیا ؟ بلکہ پھر تو اس زمین کا پیٹ ہمارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے ۔

نورالدین آزاد صاحب مجھے بٹھا کر اپنے کچھ گاہکوں میں معروف تھے اور میں اپنے ذہن کی لہروں پر سوار کہاں سے کہاں پہنچا ہوا تھا ـــ گاہکوں کے جانے کے بعد

لذیذ چائے اور بسکٹوں سے میری تواضع فرمائی ۔ جتنے میٹھے بسکٹ تھے اُس سے کہیں زیادہ شیرینی اُن کی باتوں میں تھی ۔ کہنے لگے کہ یہاں قریب ہی چونا بھٹی والی مسجد ہے جہاں ہر ہفتہ جمعرات کو تبلیغی جماعت کا اجتماع ہوتا ہے ۔ پورے شہر بلکہ مضافات تک سے لوگ شرکت کے لئے آتے ہیں ۔ کہنے لگے میں کوشش کرتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب کی تقریر وہاں ہو جائے ــــ میں نے اُن سے کہا بھی کہ تبلیغی جماعت والے کہاں اپنے اجتماع میں ڈاکٹر صاحب کو تقریر کی دعوت دیں گے ۔ لیکن انہیں اعتماد تھا کہ وہ یہ کام کرالیں گے ۔ میں سمجھا کہ شاید اپنے تعلّقات کی وجہ سے کہہ رہے ہوں یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کی تبلیغی جماعت کے مزاج میں فرق ہو ۔ بہرحال میں نے کہہ دیا آپ کوشش کر دیکھئے ڈاکٹر صاحب کو آپ تقریر کے لئے تیار پائیں گے ۔

قیام گاہ پہنچ کر میں نے ڈاکٹر صاحب کو نورالدّین آزاد صاحب سے ملاقات کا حال بتایا ۔ ہوٹل سے کھانا کھایا اور پھر قیلولہ کرنے لیٹ گئے ۔ عصر سے قبل کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا ۔ کھول کر دیکھا ۔ نورالدّین آزاد صاحب آئے ہوئے تھے ۔ ڈاکٹر صاحب سے بڑی محبّت اور گرمجوشی سے ملے ۔ کہنے لگے مسجد چونا بھٹی کیلئے میں نے بہت کوشش کی ہے لیکن کامیابی نہیں ہو رہی ۔ ابھی ایک صاحب باقی ہیں جن کے وہاں پر بہت اثرات ہیں شاید اُن سے کہنے پر کام بن جائے ۔ میں دِل ہی دل میں اُن کی سادگی پر ہنس رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کتنی ہی کوشش کر ڈالیں یہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی ۔

ڈاکٹر صاحب کو اوڑھنے کے لئے ایک چادر کی ضرورت تھی بیت الحجاج والوں نے مسہری اور بستر تو دیئے تھے اوڑھنے کی چادر فراہم نہیں کی تھی ۔ کل ہم نے شوکت صاحب سے کہا بھی تو کہنے لگے کہ انتظام کر رہا ہوں لیکن شاید وہ بھول گئے اور فراہم نہ کر سکے ۔ نورالدّین آزاد صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے بلا تکلّف کہہ دیا کہ ایک چادر کی ضرورت ہے ۔ اس کے بعد آزاد صاحب چلے گئے ۔ ہم سمجھے کہ رات تک گھر سے لا دیں گے اور بمبئی سے جاتے ہوئے ہم انہیں واپس کر دیں گے ــــ لیکن دس ہی منٹ

کے بعد وہ پھر تشریف لے آئے ۔ دیکھا تو ہاتھ میں ایک نئی چادر پیک کی ہوئی ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا ۔ یہ کیا ہے کہنے لگے حضرت! چادر ہے آپ کے لئے لایا ہوں ۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے نیچے اُتر کر ایک دوکان سے نئی چادر خریدی اور لے آئے ۔ ڈاکٹر صاحب سے بڑی لجاجت سے کہنے لگے حضرت میری طرف سے یہ حقیر ہدیہ قبول فرمالیجئے ـــ حالانکہ وہ حقیر ہدیہ نہیں بڑا قیمتی ہدیہ تھا ـــ محبّت اور خلوص کی چاشنی سے بھرپور

امیر جماعت اسلامی جناب رشید عثمانی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو جماعت اسلامی کے دفتر میں کارکنوں کو خطاب کرنے کی دعوت دی تھی چنانچہ بعد نماز مغرب ہم دفتر جماعت اسلامی گئے جو قریب ہی واقع تھا ۔ ڈاکٹر صاحب نے کوئی دو گھنٹے تک تقریر فرمائی ۔ موضوع تھا نبی اکرم ؐ کا مقصد بعثت اور طریق کار ۔ اس کے لئے ڈاکٹر صاحب نے سُورۃ صف اور سُورۃ جمعہ کو منتخب کیا تھا ۔ سورۃ صف کی روشنی میں مقصدِ بعثت اور سُورۃ جمعہ کی روشنی میں طریق کار ۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب سے متعدّد کارکنوں نے سوالات کئے ڈاکٹر صاحب تشفّی بخش جوابات دیتے رہے

ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے دوران شمس پیرزادہ صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے ۔ انہیں ایک ضروری کام سے جانا تھا اس لئے پوری تقریر نہ سُن سکے ۔

عشاء کے بعد رشید عثمانی صاحب سے تھوڑی دیر گفتگو ہوئی ۔ اس کے بعد ہم ہوٹل میں کھانا کھا کر واپس اپنی قیام گاہ پر آگئے دیر خاصی ہوچکی تھی اس لئے نیند نے جلد اپنی آغوش میں لے لیا ۔

۲۴ جنوری (جمعہ) آج کچھ سیر کا مُوڈ بن رہا تھا اس لئے بھی کہ آج بمبئی کا آخری دن تھا ۔ اور کل ہمیں واپس وطن روانہ ہوجانا

کراچی سے روانہ ہوتے وقت بھائی جمیل صاحب نے کہہ دیا تھا کہ بمبئی جارہے ہو تو ہینگنگ گارڈن ضرور دیکھنا ۔ مالا بارہل کی بہت تعریف سُنی تھی ۔ مالابار ہل ہوتے ہوئے ہم بذریعہ ٹیکسی دو چمن معلّق پہنچے ۔ کوئی خاص بات تو ہم نے یہاں پائی نہیں ـــ وسیع پارک تھا ـــ کچھ اس طرح کا جس طرح کراچی کا ہل پارک ہے ، اُس سے کشادہ ـــ کراچی میں ہل پارک کے نیچے زمین

ہے یہاں پر پیچھے سمندر ہے ـــــ کراچی کے رہائشی علاقے سمندر سے کئی میل دُور ہیں ۔ سمندر کی سیر کو جانا ہو تو باقاعدہ پروگرام بنا کر جانا ہوتا ہے ۔ یہ تو کلفٹن کے قریب کی ہاؤسنگ اسکیم میں کچھ رہائشی علاقہ سمندر کے قریب ہو گیا ہے

بمبئی میں ایسا نہیں ہے ۔ بمبئی شہر سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ پھیلتا گیا ہے ۔ تقریباً ہر جگہ سے آپکو سمندر قریب مِل جائے گا ۔ رہائشی کاروباری و تجارتی علاقے سمندر سے قریب ہیں ۔

ہنیگنگ گارڈن میں صبح کا وقت تھا ۔ باہر کاروں کی لمبی قطاریں تھیں ۔ سینکڑوں حضرات صبح ہی صبح یہاں پر سیر کو آتے ہوئے تھے ۔ بہت بڑی اکثریت ان میں ہندوؤں کی تھی ۔ بہت سے لوگ تو مع فیملی کے آئے ہوئے تھے ۔ کوئی گھاس پر ننگے پاؤں چل رہا ہے، کوئی دوڑ لگا رہا ہے ، کوئی ورزش کر رہا ہے اور کوئی یونہی ٹہل رہا ہے ۔ ہم بھی تھوڑی دیر ٹہل کر واپس باہر آئے ۔ ڈبل ڈیکر بس کھڑی تھی ۔ معلوم ہوا کہ بھنڈی بازار بھی جائے گی ہم اُس میں اوپر کی منزل میں سب سے اگلی نشستوں پر جا بیٹھے ۔ بس چلی تو اوپر بیٹھنے کی وجہ سے راستہ کے مناظر سے بہت لطف اندوز ہوئے ۔ ٹیکسی میں تو کئی روپے خرچ ہو گئے اور وہ لطف نہیں آیا جو نوے پیسے (دو ٹکٹوں کی قیمت) میں اِس بس میں بیٹھنے میں آیا ۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ پچھلے سال مدراس میں مولانا احتشام الحق تھانوی ؒ نے سیرتِ نبوی ؐ پر تقاریر کی تھیں ۔ دِل کا دَورہ پڑنے سے مولانا کا انتقال بھی مدراس ہی میں ہوا تھا ۔ مولوی عبدالباقی صاحب نے مولانا مرحوم کے خطابات کو ٹیپ کر لیا تھا اور اس عرصہ میں ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر اُتار لیا تھا ۔ اُن کی خواہش تھی کہ اِن خطابات کو کتابی صورت میں شائع کریں ۔ انہوں نے اس کا ذکر ڈاکٹر صاحب سے کیا اور ساتھ ہی یہ گذارش بھی کہ موصوف اِس کتاب کا مقدمہ تحریر فرما دیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے مولوی صاحب سے اس کا وعدہ تو کر لیا لیکن دورانِ قیام مدراس اس کا موقعہ نہ مِل سکا ۔ مدراس سے چلتے وقت مولوی عبدالباقی صاحب نے پھر یاد دہانی کرائی تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ بمبئی کے قیام کے دوران تحریر کر کے ارسال کر دوں گا ـــــ ڈاکٹر صاحب نے اس وقت کا فائدہ یہ اٹھایا کہ یہ مقدمہ تحریر کر دیا (یہ مقدمہ "میثاق" کے اسی شمارہ میں شائع کیا جا رہا ہے) مجھ

سے فرمایا کہ اس کی ایک نقل کر لو ــــ اصل تو مجھ سے لکھنا مشکل ہوتا ہے لیکن اللہ کے فضل وکرم سے نقل کرنے میں میں اُستاد ہوں - مگر آپ کو غلط فہمی نہ ہو۔ یہ میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے آج تک کبھی کسی امتحان میں نقل نہیں کی۔ ــــ یادش بخیر ایسی ہی یقین دہانی جناب شوکت تھانوی مرحوم نے روزنامہ "جنگ" کراچی کے ایک کالم میں کرائی تھی - انہوں نے کچھ اس طرح لکھا تھا کہ صاحبو! تھانوی چونکہ علماء کے نام کے ساتھ ہوتا ہے اور میں چونکہ مولوی نہیں اس لئے اسے کہیں یہ غلط فہمی نہ ہو کہ شاید میری پیدائش کسی تھانہ کے حوالات میں ہوئی ہو ــــ !! اس وجہ سے میرے نام کے ساتھ تھانوی ہوا - استغفراللہ !

دوپہر سے قبل کچھ حضرات کو ملاقات کے لئے آنا تھا وہ نہیں آئے - (ان میں سے بعض کا تعلق جماعت اسلامی سے تھا) نمازِ جمعہ سے قبل نورالدین آزاد صاحب تشریف لے آئے اور شہر کی مرکزی جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے کے لئے چلنے کو کہا۔ آزاد صاحب کے ساتھ ہم پہلے تو سی - آئی - ڈی آفس گئے کہ اپنی روانگی کا اندراج کرادیں - سیڑھیاں چڑھ کر جب کمرہ کے باہر پہنچے تو ڈاکٹر صاحب آزاد صاحب کے ساتھ باہر بنچ پر بیٹھ گئے اور یہ خاکسار "جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو" پڑھتا ہوا اندر داخل ہوا - کلرک صاحب کو پاسپورٹ کے کاغذات تھمائے - انہوں نے پہلے تو مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا جیسا کہ قصائی بکری ذبح کرنے سے قبل اسے دیکھتا ہے - اکھڑ جیسے کہ رہا ہو - کہ "میاں جی - اب آئے ہو قابو میں، دیکھتا ہوں اب نکل کے کدھر جاتے ہو" میں بار بار اپنی جبین سے پسینہ پونچھتا تھا اور حالت یہ تھی کہ ؏

یاد تھیں جتنی دُعائیں صرفِ درباں ہوگئیں

قدرت کو پھر اس گنہگار بندہ پر رحم آگیا - اُس نے اندراجات مکمل کر کے کاغذات مجھے تھما دیئے - دم میں دم آیا - لیکن وہ گویا ہوا کہ "میاں جی: اُس روز تو چائے پانی کا دیئے بغیر چلے گئے تھے آج تو کچھ دیدو" ــــ میں نے کہا کہ "بھئی ہم لوگوں کو کرنسی بہت ہی کم ملی تھی اور وہ بھی ختم ہو رہی ہے اس لئے مجبور ہیں"۔ اور آداب عرض کرتا ہوا باہر نکل آیا ــــ وہ تلملا کر رہ گیا - یہاں سے ہم جامع مسجد پہنچے، یہ سارا راستہ پیدل ہی طے ہوا ــــ راستے میں آزاد صاحب نے بمبئی کا آج کا اردو

روزنامہ دکھایا جس کے آخری صفحہ پر" پاکستان کے مفکرِ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی آمد"، کے عنوان سے یہ خبر چھپی تھی۔

"بمبئی ۲۲/ جنوری۔ مسلمانان بمبئی کے لئے یہ بات انتہائی باعثِ مسرت ہے کہ پاکستان کے انجمن خدام القرآن لاہور کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سیرت النبیؐ کمیٹی مدراس میں تقریری پروگرام کے بعد پاکستان جاتے ہوئے آج بمبئی میں قیام پذیر ہیں اور مسجد چونا بھٹی محمد علی روڈ بمبئی ۳ میں نماز جمعہ اور رات کو بعد نماز عشاء تامل ناڈو ہاؤس مسجد اسٹریٹ بھنڈی بازار میں قرآن کے موضوعات پر اہم تقریر فرمائیں گے۔ اہلِ ایمان ویقین وعمل سے شرکت کی درخواست ہے ان مبارک لمحات سے ضرور استفادہ کریں۔"

بمبئی جیسے شہر کی مرکزی جامع مسجد کا جو تصور ذہن میں تھا اُس کو ویسا نہیں پایا — گلیوں میں گھوم پھر کر یہ مسجد آتی تھی۔ جب ہم مسجد کے بالکل سامنے پہنچ گئے تو پتہ چلا کہ یہ مسجد ہے۔ جگہ بہت (CONGESTED) تھی شمالی ہند کے شہروں کی کشادہ مرکزی جامع مساجد جیسی بات نہ تھی۔ لاہور کی بادشاہی مسجد کا ذکر تو چھوڑئیے کہ وہ تو مغلوں کی تعمیر کردہ ہے۔ تقسیم برصغیر کے بعد کراچی میں تعمیر کردہ نیو میمن مسجد اور بنوری ٹاؤن کی مسجد بمبئی کی اس مرکزی جامع مسجد سے کہیں زیادہ بڑی کشادہ اور پُرجلال ہیں — یہ مسجد پُرانی ہے۔ دُو منزلہ بلکہ شاید سہ منزلہ ہے۔ درمیان میں ایک بڑا سا حوض ہے جس میں وضو کرنے کے لئے سیڑھیوں کے ذریعہ کافی نیچے اُترنا پڑتا ہے جیسے کہ یہ حوض نہیں کوئی باؤلی ہو۔ پچاس ستونوں پر مشتمل بڑا ہال ہے۔ جس میں بیس صفیں ہیں۔ ہال میں تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مسجد کے کئی برآمدے ہیں۔ خطیب صاحب شافعی ہیں۔ نماز کے بعد آزاد صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی ملاقات مسجد کے خطیب صاحب سے کرائی یہیں پر حاجی اکبر صاحب سے بھی ملاقات ہو گئی — ایک صاحب ڈاکٹر صاحب کے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔ دیر تک انہیں غور سے دیکھتے رہے آخر کو ڈاکٹر صاحب سے پوچھا — "اجازت دیں تو ایک سوال پوچھ لوں" — ڈاکٹر صاحب نے کہا "فرمائیے"۔

کہنے لگے :۔ "آپ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تو نہیں" ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "جی ہاں، ارشاد فرمائیے ۔" کہنے لگے کہ میں بمبئی کا رہنے والا ہوں ، اپنے عزیزوں سے ملنے کراچی گیا تھا ۔ ٹیلی ویژن پر آپ کی تقاریر کا سلسلہ "رسولِ کامل"، روزانہ نہایت پابندی سے سنتا رہا ۔ چند روز قبل تک تو آپ پاکستان میں ٹیلی ویژن پر تقاریر کر رہے تھے ۔ میں خود بمبئی کل ہی واپس آیا ہوں ۔ آپ کب تشریف لائے ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ مجھے پاکستان چھوڑے ہوئے دو ہفتے ہو گئے ہیں ۔ مدراس میں خطبات وغیرہ یہاں چند روز کے لئے آیا ہوں ۔ ٹیلی ویژن کی تقاریر تو پہلے سے ریکارڈ کر لی جاتی ہیں ۔ مقرر ہو یا نہ ہو ۔ وقت پر ٹیلی کاسٹ کر دی جاتی ہیں ۔۔ ڈاکٹر صاحب سے مل کر انہیں بہت خوشی ہوئی جس کا وہ بار بار اظہار کرتے تھے ۔ وہ ڈاکٹر صاحب کو باصرار اپنے گھر لے جانا چاہتے تھے ۔ بچھے جاتے تھے ۔ ہمارے پاس چونکہ آج کا دن یہاں پر آخری تھا اور پروگرام بہت تھے اس لئے اُن سے معذرت کر لی جسے انہوں نے بڑی مشکل سے قبول کیا ۔ البتہ رات کو ٹامل ناڈو بیت الحجاج آنے کا وعدہ کیا جہاں بعد نمازِ عشاء ڈاکٹر صاحب کی تقریر ہونا تھی ۔

نماز جمعہ کے بعد نورالدین صاحب کھانے کے لئے ہمیں اپنے گھر لے گئے ۔ دستر خوان پر بہت ہی پُرتکلف کھانا چُنا گیا مچھلی بھی دستر خوان پر تھی جو ڈاکٹر صاحب کو بہت مرغوب ہے ۔ مچھلی کے بارے میں معلوم ہوا کہ کراچی کے مقابلے میں بمبئی میں بہت مہنگی ہے ۔۔ کھانا نہایت لذیذ تھا ۔۔ کئی روز کے ہوٹلوں کے کھانے کے بعد گھر کا کھانا کھایا جو ویسے بھی زیادہ کھایا گیا ۔ کھانا کھا کر قیام گاہ واپس آئے اور دھم سے بستر پر گر گئے اور تھوڑی دیر تک ہمیں کچھ ہوش نہ رہا ۔ گہری نیند سو لئے ۔ سو کر اُٹھے ہی تھے کہ دروازہ کھٹکھٹایا گیا ۔ دروازہ کھولا تو جماعت اسلامی کے کچھ کارکن ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے ۔ ان حضرات کو صبح آنا تھا لیکن کسی وجہ سے نہ آسکے ۔ جس کی انہوں نے معذرت کی ۔ کہنے لگے کہ تھوڑی دیر قبل آئے تھے تو آپ حضرات "بآوازِ بلند"، سو رہے تھے اس لئے جگانا مناسب نہیں سمجھا ۔ ان کے "بآوازِ بلند" کہنے پر ایک قہقہہ پڑا ۔ (اصل میں ہوا یہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کے خراٹوں کے ساتھ ساتھ کچھ میرے خراٹے بھی شامل ہو گئے ہوں گے ۔) جماعتی احباب کچھ دیر ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھے اور کل کی تقریر کے سلسلہ

میں کچھ سوالات اور تحریکی مسائل پر مزید تبادلۂ خیالات کرکے واپس چلے گئے۔
جماعتی احباب بیٹھے ہی تھے کہ مدراس سے سیٹھ محمد امین صاحب آگئے۔ اُن کا پہلے ہی سے آج بمبئی آنے کا پروگرام تھا۔ کل کراچی سے اُن کی فیملی آنے والی تھی جسے لینے کے لئے وہ بمبئی آئے تھے پی۔ آئی۔ اے۔ کے جس طیارہ سے اُن کی فیملی کو کراچی سے آنا تھا اُسی میں ہمیں بمبئی سے واپس کراچی جانا تھا۔ ہم نے محمد امین صاحب کا بستر بھی اپنے ہی کمرہ میں لگوا لیا - مزید پلنگ کی گنجائش نہ تھی۔ میں نے اپنا پلنگ انہیں دیدیا اور خود اپنا بستر نیچے فرش پر بچھا لیا۔ محمد امین صاحب اس کے لئے کسی طور تیار نہیں ہوتے تھے لیکن میرے آگے اُن کی نہیں چل سکی اور جب معاملہ "نازک" ہوگیا تو ڈاکٹر صاحب نے فیصلہ بھی میرے حق میں صادر فرمادیا اب بھائی امین صاحب کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش نہ تھی۔ اس لئے کہ اب اُن کی حیثیت ہمارے میزبان کی نہیں ہمارے مہمان کی تھی۔
شام کو ہمارا خیال کچھ شاپنگ کرنے کا تھا۔ بچوّں کے لئے چند چیزیں خریدنا چاہتے تھے لیکن بھائی امین صاحب کا ارادہ تھا کہ ہمیں بمبئی کی سیر کرادیں۔ انہوں نے کار کا انتظام کر رکھا تھا۔ وقت کم تھا۔ شاپنگ یا سیر ایک چیز کو منتخب کرنا تھا — فیصلہ سیر کے حق میں ہوا۔ مغرب سے ذرا قبل ہم تینوں کار میں بیٹھے۔ اور کار مالابارہل کی جانب چل دی۔ راستہ میں ایک مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی۔ مالابارہل ہوتے ہوئے ہنیگنگ گارڈن گئے۔ محمدّ امین صاحب نے ڈرائیور کو کہا کہ اب دریا کی طرف چلو۔ ہمیں تعجّب ہوا کہ بمبئی میں کون سا دریا ہے۔ یہ ہم نے پہلی بار سُنا۔ معلوم ہوا کہ بمبئی میں لوگ سمندر کو سمندر نہیں دریا کہتے ہیں۔ ایک جگہ محمدّ امین صاحب نے گاڑی رُکوائی۔ کسی عزیز سے ملاقات کرنا تھی۔ ہم لوگ گاڑی ہی میں بیٹھے رہے اس میں کچھ دیر لگی۔ تو ڈرائیور نے ڈاکٹر صاحب سے باتیں شروع کردیں۔ ڈرائیور مسلمان تھا۔ پوچھا پاکستان کیسا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ بہت اچھّا۔ کہنے لگا کہ میری بہت خواہش ہے کہ پاکستان دیکھوں۔
ڈاکٹر صاحب نے اُسے دعوت دی کہ پاکستان دیکھنے ضرور آؤ۔ بلکہ پیشکش بھی فرمادی کہ لاہور آؤ تو ہمارے پاس ٹھیرو۔ اب ڈرائیور ذرا بے تکلف ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب سے پوچھنے لگا کہ لاہور میں مُنّی بیگم سے ملاقات

ہوسکتی ہے ۔ ڈاکٹر صاحب تھوڑی دیر کو سوچ میں پڑ گئے کہ کیا جواب دیں میں بھی چکرا گیا ۔ مجھے کچھ تاؤ سا بھی آگیا کہ کیا بے تکا سوال کیا ہے بلکہ بے ادبی کی ہے میرے مرشد کی ۔ لیکن میں خاموش رہا ۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ بھئی ہم اللہ کے دین کیلئے کام کرنے والے لوگ ہیں ۔ قرآن حکیم کی خدمت کرتے ہیں —— ہمیں ان گانے والوں سے کیا دلچسپی —— ڈرائیور کو اپنی غلطی کا کچھ احساس ہو گیا کہ مولوی لوگوں سے غلط سوال کر بیٹھا —— ان سے تو کوئی مذہب کے میدان کا ہی سوال کرنا چاہیئے —— اب اُس نے اپنے تصوّر مذہب کے مطابق نیا سوال داغ دیا جس کے لئے شاید ڈاکٹر صاحب پہلے سے تیار نہ تھے ۔ وہ سمجھتے تھے کہ سوال وجواب کا سلسلہ اب ختم ہوا چاہتا ہے ۔ —— اس کا سوال تھا " پھر تو آپ صابری برادران سے خوب واقف ہوں گے ۔ کیا میری پاکستان میں اُن سے ملاقات ہوسکتی ہے ۔" اب ڈاکٹر صاحب جواب دیں تو کیا دیں ، جواب بھی ایسا ہو کہ جو اس کے پلّے پڑسکے —— ڈاکٹر صاحب جواب دینے کو سوچ ہی رہے تھے کہ اتنے میں بھائی امین صاحب تشریف لے آئے اور یوں یہ مکالمہ اختتام پذیر ہوا ۔

ساحل سمندر کی اصل تفریح گاہ میرین ڈرائیو ہے ۔ یہیں پر آگے چوپاٹی ہے جو بھی ایک تفریح گاہ ہے ۔ چنانچہ کار کے اندر بیٹھے بیٹھے میرین ڈرائیو اور چوپاٹی کی

سیر کرتے کراتے ہم اسمبلی ہال کی طرف جا نکلے - اونچی اونچی عمارات کی روشنیاں جب سمندر کے پانی میں پڑتی تھیں تو منظر نہایت ہی دلچسپ ہوتا تھا - بمبئی تو واقعی رات کو دیکھنے کی جگہ ہے - مدراس کی ساحلی تفریح گاہ کو رات کے دیکھنے کی حسرت ہی رہی لیکن وہ حسرت ہم نے یہاں پوری کر لی - ورنہ کتنی ہی حسرتیں ہیں جو دم توڑ چکی ہیں اور بن کھلے مرجھا گئی ہیں - بقول شاعر ؎

حسرتوں کے مزار پر ہم نے　　خونِ دل سے دیئے جلائے ہیں

میرین ڈرائیو سے گذرتے ہوئے ہم نے سمندر کے درمیان ایک جگہ بہت روشنی دیکھی سمندر کے اندر سے ایک بریک واٹر لائن کے ذریعہ وہاں تک پہنچا جاتا ہے معلوم ہوا کہ یہ کسی بزرگ کا مزار ہے اور لوگ دُور دُور سے سینکڑوں کی تعداد میں روزانہ منتیں ماننے آتے ہیں - چڑھاوے چڑھاتے ہیں - اور وہ سب کچھ ہوتا ہے جو دوسرے مزاروں پر ہوتا ہے - اور جو ہماری تاریخ کا ایک سیاہ باب بن چکا ہے — ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے بزرگ جن برائیوں کو مٹانے آئے تھے وہ برائیاں دھڑلّے سے اُن کے مزاروں پر کی جا رہی ہیں اور یوں سجادہ نشینی کی کرسی پر بیٹھ کر ان بزرگوں سے انتقام لیکر اپنی تجوریاں بھری جا رہی ہیں ؎

یوں بھی مجھے رُسوا کرتے ہیں　　ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

افسوس کہ توحید کے علمبرداروں کے مزار پر شرک اپنی گھناؤنی شکل میں عریاں ناچ دکھا رہا ہے - اور مزید افسوس یہ کہ آج ہمارے جمہور کا اصل دین یہی بن چکا ہے — وہ جمہور کہ جن کے بارے میں ہمارے ہاں کی ایک جماعت کا یہ دعویٰ تھا بلکہ ہے کہ ان کی ہزار میں سے ۹۹۹ کی تعداد اس ملک میں اسلام کی شیدائی ہے اور وہ اسلام چاہتی ہے۔ کیسا اسلام ؟ کون سا اسلام ؛ ذرا ان مزاروں پر جا کر بیچارے اسلام کی دُرگت تو دیکھو — سیاست کے میدان میں نعرے لگا لینا آسان ہے لیکن عمل کے میدان میں کردار پیدا کرنا مشکل - افسوس کہ اس جماعت نے اپنے پروگرام کی بنیاد ہی اس مفروضہ پر رکھی اور یہی وجہ ہے کہ کامیابی کا کہیں دُور دُور تک پتہ نہیں — کامیابی ایک سراب کی مانند نظر آتی ہے — جتنا اس کی طرف بھاگو اتنا ہی یہ دور ہوتا چلا جاتا ہے — اس سراب کے پیچھے بھاگنے کا حاصل ا— "میں ہوں اپنی شکست کی آواز"

کوئی ہے کہ سوچے سمجھے ؟ لیکن افسوس — نقار خانہ میں طوطی کی صدا کون سنتا ہے !!

اسمبلی ہال سے تاج ہوٹل کی طرف جا نکلے جس کی ہم نے بہت تعریف سُنی تھی۔ آج وہ ہمارے سامنے تھا۔ روشنیوں میں جگمگا رہا تھا — بمبئی کا سب سے پُرانا اعلیٰ ہوٹل ہے۔ اس سے بڑے جدید ہوٹل بھی یہاں پر بہت ہیں لیکن اس کی شان نرالی ہے۔ وضعدار لوگ اب بھی اسی میں ٹھیرنا پسند کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اب بھی اس کے کمروں میں ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ کا فرنیچر ہے۔

تاج ہوٹل کے سامنے گیٹ ٹو انڈیا (GATE TO INDIA) ہے اور ان دونوں کے درمیان سیواجی کا بہت بڑا مجسّمہ - جو تلوار لہراتے ہوئے گھوڑے کو ایڑھ لگائے ہے ہیں مجسّمہ پر چاروں طرف سے فلڈ لائٹ (FLOOD LIGHT) پڑ رہی ہے انڈیا میں سیواجی کی شخصیّت کو بہت ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ اورنگ زیب عالمگیر اُن کے نزدیک "ظالم تھا ستمگر تھا" اُن کے ہیرو ڈاکو ہوں، قاتل ہوں، مجرم ہوں لیکن وہ ان کی شخصیت کو پاک وصاف دِکھلا کے اپنے ہیرو کی حیثیت سے دُنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں - سوال یہ ہے کہ ہم نے اس سلسلہ میں کیا کیا ہے ؟ کیا ہم نے کبھی اپنی نئی نسل کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہماری تاریخ کے ہیرو کون کون ہیں - پاکستان جو بنا ہے تو اس کی بنیادوں میں کن لوگوں نے اپنے پسینہ اور خون سے آبیاری کی تھی کن کن کے گوشت کے لوتھڑے اور ہڈیوں کے ٹکڑے اس کی بنیادوں میں کھپائے گئے ہیں - پاکستان کی تحریک کن کن ادوار سے گذری ہے - اس میں سے کس کس کا حصہ کیا ہے — کیا ہماری نوجوان نسل کو یہ سب کچھ پتہ ہے ؟ آپ ایک نوجوان سے پوچھیئے کہ اورنگ زیب عالمگیر کون تھا — وہ یہ تو بتا دے گا کہ وہ ایک مغل بادشاہ تھا اور بس — شاہ ولی اللہ رحؒ حضرت مجدّد الف ثانی رحؒ سید احمد شہید رحؒ شاہ اسمٰعیل شہید رحؒ، مولانا شاہ محمود الحسن صاحب رحؒ اور اسی طرح کے بزرگوں اور جنگِ آزادی کے متوالوں کے بارے میں پوچھ بیٹھیئے، ہماری نوجوان نسل کا نمائندہ جواب تو کیا دے پائے گا، بغلیں جھانکے گا — ہم نے اغیار کو کوسا تو بہت ہے لیکن کیا کبھی اپنے گریبان میں بھی جھانکنے کی کوشش کی ہے — !!!

گیٹ ٹو انڈیا کی تعریف تو بہت سنی تھی، اب نظر کے سامنے تھا بہت بڑا گیٹ

ہے - اس سے چند قدم دُور سمندر شروع ہو جاتا ہے - یہ کشتیوں کا بندر بھی ہے - بہت سی کشتیاں کھڑی تھیں اور لوگ انہیں کرایہ پر لے لیکر سمندر میں تفریح کے لئے جا رہے تھے — یہ بہت اچھی تفریح گاہ ہے - پارک اور لان سلیقہ سے بنے ہوئے ہیں - اس وقت سینکڑوں کی تعداد میں لوگ گھوم رہے تھے شہر اور بیرون شہر اور ملک و بیرون ملک سے بہت سے لوگ سیر و تفریح کے لئے آتے ہوئے تھے کئی حضرات ایسے بھی تھے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کو سلام کیا اور اس طرح مصافحہ کیا جیسے کہ انہیں جانتے ہوں — ٹیلی وژن نے دراصل ڈاکٹر صاحب کو بہت زیادہ متعارف کرا دیا ہے — لیکن یک طرفہ!

طامل ناڈو بیت الحجاج میں آج رات ساڑھے دس بجے ڈاکٹر صاحب کو خطاب کرنا تھا اس لئے جلد واپسی ضروری تھی - واپسی میں کراونڈ مارکیٹ کے سامنے بادشاہ کی مشہور کولڈ ڈرنک اور جوس کی دوکان ہے - بھائی امین صاحب نے یہاں پر ہماری آئس کریم اور جوس وغیرہ سے خاطر تواضع کی - پونے دس بجے ہم واپس قیام گاہ پر پہنچے -

ساڑھے دس بجے ڈاکٹر صاحب نے سورۃ حٰم سجدہ کے رکوع کا درس دیا - بیت الحجاج کا چھوٹا سا ہال اور باہر کے برآمدے وغیرہ لوگوں سے بھرے ہوئے تھے - پونے گھنٹہ میں درس ختم کر کے ڈاکٹر صاحب نے مختلف حضرات کے سوالات کے جوابات دیئے - دیر تک لوگ بیٹھے ڈاکٹر صاحب سے تبادلۂ خیالات کرتے رہے - جماعت اسلامی کے کچھ کارکن حضرات بھی آئے ہوئے تھے -

ڈاکٹر صاحب سر کے درد کے مریض ہیں - ان کو کبھی کبھی سر کے درد کا دورہ پڑتا ہے جو نہایت شدید ہوتا ہے - آدھے سر میں درد ہوتا ہے - آج بھی انہیں اس دورہ کی شکایت تھی میں نے سر دبانے کی کوشش کی لیکن مجھے روک دیا — اچھے مُرشد ہیں کہ سر بھی نہیں دبانے دیتے ؛

ڈاکٹر صاحب نے دواء کھائی اور سونے کے لئے لیٹ گئے اور بھائی امین صاحب اور مَیں نیچے ٹہلنے کے لئے اُتر آئے - سڑک پر کچھ دیر ٹہلے اور پھر شالیمار ہوٹل میں جا بیٹھے - بھوک نہ تھی لیکن بھائی امین صاحب کا اصرار تھا کہ کچھ کھاؤ — کچھ کھا کر چائے پی -

بھائی امین صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کا مدراس میں قیام بہت کم رہا ۔ سیری نہیں ہوئی کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ڈاکٹر صاحب اس سال پھر دوبارہ تشریف لائیں ۔ عرض کیا کہ میں ڈاکٹر صاحب سے ذکر کروں گا ۔ فرمانے لگے کہ ٹی عبدالواحد صاحب سے بات ہوئی تھی ۔ وہ اس سال دوبارہ ڈاکٹر صاحب کو "ٹی عبدالواحد اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن" کی جانب سے بلانے اور لیکچر کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ تفصیلی پروگرام تو بعد میں طے ہوگا ۔ میں نے عرض کیا کہ ٹھیک ہے میں ڈاکٹر صاحب سے گفتگو کروں گا ۔ آپ اس سلسلے میں ڈاک کے ذریعہ رابطہ رکھئے ۔

بارہ ساڑھے بارہ بجے قیام گاہ واپسی ہوئی ۔ اب ایک مسئلہ درپیش تھا کہ ہمارا قیام چوتھی منزل پر تھا اور لفٹ بند ہوچکی تھی ۔ بھائی امین صاحب دل کے مریض تھے ۔ چوتھی منزل تک چڑھنا اُن کے لئے بہت مشکل تھا لیکن اب کیا کیا جائے بیچاروں نے ایک ایک منزل ٹھیر ٹھیر کر بڑی مشکل سے یہ فاصلہ طے کیا ۔

کراچی جانے کے لئے عبدالصمد صاحب کے سیکرٹری رفعت صاحب چوہدری صاحب اور ایک اور صاحب مدراس سے پرسوں بمبئی پہنچے تھے ۔ اُن کا قیام بھی بیت الحجاج میں ایک الگ کمرہ میں تھا ۔ ان حضرات کی سیٹ بھی ہمارے ہی ساتھ تک تھی صبح فجر کی نماز پڑھ کر آئے تو شمس پیر زادہ صاحب تشریف لے آئے ۔ تھوڑی دیر ڈاکٹر صاحب سے گفتگو کر کے چلے گئے ۔ سامان پیک کیا ۔ بھائی امین صاحب نے ٹی عبدالواحد صاحب کی گاڑی منگوالی تھی ۔ شالیمار میں ناشتہ کیا ۔ اور آٹھ بجے کی بجائے سوا نو بجے ہم انٹرنیشنل ائر پورٹ پہنچے ۔ راستہ میں گاڑی کچھ خراب ہوگئی تھی اس لئے کچھ اس کی وجہ سے اور کچھ ناشتہ کی وجہ سے دیر ہوگئی تھی ۔ رفعت صاحب اور ان کے ساتھی پہلے پہنچ چکے تھے اور بے چینی سے ایر پورٹ پر ہمارا انتظار کر رہے تھے جہاز کی روانگی کا وقت گیارہ بجے تھا ۔ ہم نے اپنا سامان اور سفر کے کاغذات وٹکٹ وغیرہ رفعت صاحب کے سپرد کئے بورڈنگ کارڈ کا حصول، کسٹم وغیرہ کی کاروائیاں، یہ سب کام انہوں نے انجام دیئے ــــ ہمیں انہوں نے ایک طرف آرام سے بٹھادیا ــــ ایک بوڑھی عورت جارہی تھی ۔ ہاتھ میں سامان تھا جو اُس سے بڑی مشکل سے اٹھایا جارہا تھا ــ قدم قدم پر رُک کر سانس کو بحال کرنا پڑرہا تھا ــ ڈاکٹر صاحب کی جو نظر

پڑی تو فوراً اٹھ کر اس کی مدد کو پہنچے - اُس کا سامان اٹھا کر کسٹم کی حدود تک خود چھوڑ کر آئے ـــ تمام ضروری رسمی کارروائیوں سے فارغ ہو کر دستی سامان لے کر ہم ڈیپارچر لاؤنج میں جا بیٹھے - بھائی امین صاحب کو ہم گیٹ پر ہی خدا حافظ کہہ چکے تھے اور وہ اپنی فیملی کو لینے ARRIVAL والے حصہ کی طرف چلے گئے تھے۔

معلوم ہوا کہ جہاز لیٹ ہے - کافی دیر ڈپارچر لاؤنج میں بیٹھنا پڑا - کچھ دیر کے بعد اعلان ہوا کہ جہاز پر تشریف لے چلئے یہاں پر انگریزی اور ہندی میں اعلانات ہوتے ہیں، اُردو کا تو سوال ہی نہیں ـــ تمام پسنجر لاؤنج سے باہر نکلے - جہاز دُور کھڑا تھا - اس لئے بس سے جانا تھا - پہلی بس میں رفعت صاحب اور انکے ساتھی چلے گئے ہمارا نمبر دوسری بس میں آیا ـــ ہماری بس کو راستہ میں رُکنا پڑا - اس لئے کہ راستہ میں ایک رن وے آتا تھا جس پر چلنے کے لئے ایک جہاز پر تول رہا تھا - پندرہ بیس منٹ تک بس انتظار میں کھڑی رہی - جہاز کی اُڑان کے بعد گیٹ کھلا تو بس دوبارہ روانہ ہوئی - پی - آئی - اے - کے طیارہ کے قریب جب پہنچی تو پتہ چلا کہ اس میں کوئی خرابی واقع ہو گئی ہے - چنانچہ بغیر اُتارے بس نے دوبارہ ہمیں ایرپورٹ کے لاؤنج میں پہنچا دیا - تھوڑی دیر کے بعد رفعت صاحب اور ان کے ساتھی بھی واپس آ گئے - ان کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ حضرات طیارہ میں اپنی سیٹ سنبھال چکے تھے کہ طیارہ میں خرابی کا اعلان ہوا اور انہیں اُتار لیا گیا ـــ جہاز کی تاخیر بڑھتی ہی جاتی تھی انتظار کے یہ لمحات نہایت شاق گذر رہے تھے - پتہ چلا کہ جہاز کے بجلی کے نظام میں کچھ خرابی ہو گئی ہے حالانکہ یہ نئی ایربس تھی - چونکہ بورڈنگ کارڈ جاری ہو چکے تھے اس لئے اب ہماری حیثیت پی - آئی - اے کے مہمانوں کی تھی ـ پیاس سخت لگ رہی تھی - بڑی دیر بعد بورڈنگ کارڈ دکھا کر کاؤنٹر سے ایک ایک ٹھنڈی بوتل پینے کو ملی - کاؤنٹر ایک تھا لمبی لمبی لائنیں لگ گئیں - بغیر لائن کے بھی لوگ گھسنے کی کوشش کر رہے تھے - عجب افراتفری کا عالم تھا ـــ کافی یا کولڈ ڈرنک ـــ ان دو میں سے ہمیں کوئی ایک چیز منتخب کرنا تھی ـــ میں نے اپنے اور ڈاکٹر صاحب کے کارڈ پر دو بوتلیں حاصل کیں ـــ پینے کے بعد کچھ تسکین ہوئی ـــ

بمبئی اور مدراس کا موسم کراچی کے موسم سے مختلف تھا۔ جنوری کا مہینہ تھا۔ — ہمارے لئے تو اس کو سردی کہنا مذاق تھا — ہم جہاں بھی جاتے ہمیں گرمی لگتی لیکن پنکھے بند ملنے تعجب ہوتا کہ اتنی گرمی ہے اور پنکھے بند ہیں۔ آخران لوگوں کو ہوا کیا ہے۔ کیا انہیں گرمی نہیں لگتی ہے — لوگوں سے گذارش کر کے پنکھا چلوایا جاتا — یعنی ہمارے لئے جو گرمی تھی وہ وہاں کے لوگوں کے لئے "سردی" کی تعریف میں آتی تھی — چہ خوب!

خدا خدا کر کے جہاز میں "تشریف لے جاتے" کا اعلان ہوا اور ہمارا یہ جہاز گیارہ بجے کی بجائے سوا دو گھنٹہ کی تاخیر کے ساتھ یعنی سوا بجے روانہ ہوا — اور تین بجے کراچی پہنچا۔ پاکستانی وقت کے مطابق اس وقت گھڑیوں میں ڈھائی بج رہے تھے۔ ہم نے اپنی گھڑی کو نصف گھنٹہ پیچھے کیا —

کراچی ایرپورٹ پر لینڈ کرنے کے بعد جیسے ہی دروازہ کھلا اور ہم سیڑھی سے نیچے اُترے، دیکھا کہ برھان غنی صاحب کار لئے کھڑے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کار میں بیٹھے، مجھے بھی بیٹھنا پڑا کسٹم وغیرہ کی تمام رسمی کاروائیاں انہوں نے خود ہی انجام

دیں ایرپورٹ پر ہمارے چند رفقاء تنظیم بھی آگئے تھے۔ امیر تنظیم اسلامی کراچی بھائی عبدالرزاق صاحب، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے کراچی آفس کے اعزازی ناظم بھائی عبدالواحد عاصم صاحب اور چند رفقاء موجود تھے جنہوں نے نہایت گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا — جیسے ہی ہم ہال میں داخل ہوئے ہر شخص سب سے پہلے ڈاکٹر صاحب سے ملنے کے لئے بے چین تھا ؎

اٹھا جو مینا بدستِ ساقی　　رہی نہ کچھ تابِ ضبط باقی
تمام میکش پکار اُٹھے　　یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے

اور ڈاکٹر صاحب سے محبت اُن کے رفقاء کو کیوں نہ ہو کیونکہ ڈاکٹر صاحب جو کچھ ہیں ان کے رفقاء اُن سے خوب واقف ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ —

ڈاکٹر صاحب نے اپنے میڈیکل کیریر کو ختم کر کے، دنیا کی لذتوں پر لات مار کر اپنی زندگی کو اس مشن میں کھپا دیا ہے جس سے عظیم اور مقدس مشن اس زمین سے اُوپر اور اس آسمان تلے اور کوئی نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا تو حال یہ ہے ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
اِلاّ حدیثِ دوست کہ تکرار می کنیم

وہ کسی مرحلہ سے بھی گذرے ہوں اُن کی زندگی کا مشن اُن کی نگاہوں کے سامنے ہمیشہ تابندہ و پائندہ رہا ہے۔ وہ اس سے کبھی غافل نہیں ہوئے ۔

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

ڈاکٹر صاحب کا کمال یہ نہیں کہ اُن سے کشف و کرامات کا صدور ہو رہا ہو۔ جیسا کہ ہمارے ہاں کے بہت سے لوگوں کا "اللہ والوں" کے بارے میں تصور ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو ربّ مانا ہے، اُس پر جم گئے ہیں اور ثابت قدمی کے ساتھ راہِ مستقیم پر گامزن ہیں اُن کی زندگی میں کوئی تصنع نہیں، کوئی بناوٹ نہیں۔ اپنی خوبیوں کی بڑ نہیں ہانکتے، اپنی خامیوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کر کے دکھاتے ہیں۔ جیسے باہر ہیں ویسے ہی گھر میں، جیسا باطن ہے ویسا ظاہر مختصراً یہ کہ وہ واقعی ایک "مسلمان" ہیں۔ ایک عالمِ دین نے کیا خوب کہا ہے۔

"رہیں بشارتیں اور کشوف و کرامات اور انوار و تجلیات تو آپ ان کے اکتساب کی فکر میں نہ پڑیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس مادی دنیا کے دھوکہ دینے والے مظاہر میں توحید کی حقیقت کو پالینے سے بڑا کوئی کشف نہیں ہے۔ شیطان اور اُس کی ذریت کے دلائے ہوئے ڈراوؤں اور لالچوں کے مقابلے میں راہِ راست پر قائم رہنے سے بڑی کوئی کرامت نہیں ہے۔ کفر و فسق اور ضلالت کے اندھیروں میں حق کی روشنی دیکھنے اور اس کا اتباع کرنے سے بڑا کوئی مشاہدۂ انوار نہیں ہے اور مومن کو اگر کوئی سب سے بڑی بشارت مِل سکتی ہے تو وہ اللہ کو ربّ مان کر اس پر جم جانے اور ثابت قدمی کے ساتھ اس کی راہ پر چلنے سے ملتی ہے۔"

جنوبی ہند کے دورہ کا رپورتاژ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس میں جو حق اور خیر ہو اُس کو لوگوں کے دلوں میں اُتار دے اور مجھ سے جو فروگذاشتیں سرزد ہوئی ہوں مجھے معاف فرمائے اور لوگوں کے ذہنوں سے انہیں محو فرما دے۔ آمین!

(بقیہ صلا پر)

مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم

کے مجموعۂ خطباتِ مدراس پر

تقریظ

از: ڈاکٹر اسرار احمد

مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم و مغفور کا درسِ قرآن ریڈیو پر تو بارہا سنا لیکن ان کی تقریر بالمشافہ سننے کا موقع زندگی میں ایک ہی بار نصیب ہوا لیکن اس ایک بار کا تاثر بھی اس قدر گہرا تھا کہ پورے تیرہ سال گزر جانے کے باوجود اس کی یاد دل سے محو نہ ہو سکی۔ اور ان کی آواز کے رس، ان کے لہجے کی شیرینی اور ان کی قراءت کی پُرسوز حلاوت کا اثر قلب پر تاحال باقی ہے۔

یہ اوائل ۱۹۶۸ء کی بات ہے۔ پاکستان میں جنرل ایوب خاں مرحوم کی حکومت کا دور گیارھویں سال میں داخل ہو چکا تھا۔ اور مارشل لاء کی ہیبت کسی قدر کم ہو گئی تھی، چنانچہ پاکستان کی سیاسی فضا میں دس سال کے طویل وقفے کے بعد پہلا ارتعاش فروری ۱۹۶۸ء میں عید الفطر کے موقع پر رؤیتِ ہلال کے نزاع سے پیدا ہو گیا۔ اس معاملے میں مولانا احتشام الحق صاحب پیش پیش تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ اسی ضمن میں ایک تقریر انہوں نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں کی تھی جسے سننے میں بھی حاضر ہوا تھا۔ اس تقریر کا مجموعی تاثر تو وہی تھا جو اوپر درج ہو چکا، یعنی یہ کہ ؎

"بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں!"

اصنافِ سخن میں سے "وعظ گوئی" کو بھی ہماری تاریخ میں اہم مقام حاصل رہا ہے اور اگرچہ ادھر کچھ عرصے سے یہ صنف اپنی ناقدری کے باعث نایاب ہوگئی ہے، اس لئے کہ عقلیت پرستی کے اس دَور میں 'وعظ' کا لفظ ہی گالی بن گیا ہے تاہم ماضی قریب تک اس کا رواج باقی تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اصلاح معاشرہ کے ضمن میں اس کی اہمیت مسلّم ہے۔ چنانچہ خود قرآن مجید ایک مقام پر اپنے آپ کو "موعظہ" سے تعبیر کرتا ہے بفحوائے الفاظ قرآنی "قد جاءتکم موعظۃٌ من ربکم و شفاءٌ لما فی الصدور" اور ایک دوسرے مقام پر اس موعظہ کے ساتھ بطور صفت آیا ہے "حسنہ" کا لفظ (ادعُ الی سبیل ربّک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن) — اور اس 'موعظہ' کو فی الواقع 'حسنہ' بنانے میں جہاں واعظ کی قوّت بیان کو دخل حاصل ہے (خلق الانسان علّمہ البیان ہ) وہاں حُسنِ صوت کی تاثیر بھی یقیناً مسلّم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے تو حکم دیا کہ "فذکّر بالقراٰن من یخاف وعید ہ" یعنی وعظ نصیحت قرآن کے ذریعہ کرو اور آنحضورؐ نے تاکید فرمائی کہ "زیّنوا القراٰن باصواتکم" یعنی قرآن کو اپنی آوازوں سے مزیّن کرنے کی امکان بھر سعی کرو! (ان موضوعات پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے راقم کا کتابچہ "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق") — اور ان ہی تمام کیفیات کا جامع ہوتا ہے ایک کامیاب اور مؤثر وعظ!

برّصغیر ہند و پاک میں دھلی کی سرزمین کو اس ضمن میں خصوصی امتیاز حاصل رہا ہے چنانچہ ماضی قریب میں سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ اس فن کے امام العصر تھے۔ خود راقم کے ننہالی عزیزوں میں سے ایک خاندان اس سلسلے میں معروف رہا ہے ——— چنانچہ 'الواعظ' کے نام سے ایک ماہنامہ بھی ان کے یہاں سے شائع ہوتا رہا ہے اور اس خاندان کے اس میدان کے آخری شہسوار مولانا

محمد زبیر قریشی کا وعظ بھی ایک بار ان کے درود کراچی کے موقع پر سننے میں آیا تو اندازہ ہوا کہ 'وعظ گوئی' بجائے خود ایک مکمل فن ہے -

پاکستان میں اِس میدان کے آخری شہسوار مولانا احتشام الحق صاحب مرحوم ومغفور تھے جنہیں "خاتم الواعظین" کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا - اور اگرچہ ان کے ہم عصر بعض دوسرے واعظین کا طوطی بھی پاکستان کے طول وعرض میں بولتا رہا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ باقی سب حضرات کے لہجے میں ایک درشتگی اور کرختگی تھی جو سیاسی ایجی ٹیشن کے میدان میں تو یقیناً بہت مفید اور قابل قدر ہے لیکن 'وعظ' کے مقاصد سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی - جبکہ مولانا احتشام الحق مرحوم ومغفور کا اصل ہتھیار ہی ایک درد آمیز سرور، پرسوز حلاوت تھی جس کے زیر اثر بات دل میں اترتی چلی جاتی تھی - گویا ع "از دل خیزد، بر دل ریزد" والا معاملہ ہوتا تھا - اور یہ کیفیت کم از کم راقم الحروف کو کسی اور 'واعظ' میں نظر نہیں آتی -

---

زیرِ نظر مجموعے میں مولانا مرحوم کے وہ وعظ شامل ہیں جو موصوف نے اپنی وفات سے چند روز قبل مدراس اور اس کے قرب وجوار کے قصبات میں ارشاد فرمائے - ان میں سے ہر ایک میں انہوں نے اپنی علالت کا ذکر بھی کیا ہے، اور یہ محبت بھرا شکوہ بھی کیا ہے کہ لوگ وفورِ محبت میں ان کے ضمن میں "تکلیف مالایطاق" پر عمل کر رہے ہیں - اور ویسے تو ہمارا ایمان ہے کہ "موت کا ایک دن معین ہے!" اور یہ نہ ایک لمحہ موخر کی جا سکتی ہے نہ مقدم تاہم عالم اسباب میں محسوس ہوتا ہے کہ مولانا کی اچانک رحلت کا سبب، یہی کثرتِ کار تھی - واللہ اعلم!!

ان کے دو خطبوں میں تو ایک "الہامی رنگ" بھی موجود ہے یعنی ایک مدراس کی پہلی تقریر میں جس میں "فلسفہ سفر" بیان ہوا ہے - اور گویا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف "کُن فی الدنیا کانّکَ غریبٌ او عابرُ سبیل" کی شرح ہو گئی ہے — اور دوسری امبور کی تعزیتی تقریر جو آنیکر عبدالشکور مرحوم ومغفور کی وفات حسرت آیات پر تعزیت کے موضوع پر ہے — ان دونوں میں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مولانا خود بھی ع "بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں!" کے انداز

میں سفرِ آخرت کے لئے ہمہ تن تیار ہو گئے ہوں، اور خود اپنی اچانک وفات پر اپنے اعزہ و اقارب سے پیشگی تعزیت فرما رہے ہوں' — اللّٰھُمَّ اغفر لہ' وارحمہ' وادخلہ' فی رحمتک وحاسبہ' حسابًا یسیرًا - آمین یا ربّ العالمین !!

راقم الحروف کو بھی از گیارہ تا انتیس جنوری ۱۹۸۱ء نو دن مدراس شہر کے قرب وجوار کی ان بستیوں میں گذارنے کا موقع ملا - جہاں مولانا مرحوم نے وہ وعظ ارشاد فرمائے تھے جو پیشِ نظر مجموعے میں شامل ہیں اور تقریبًا ان سب ہی مقامات پر درسِ قرآن اور خطابات کی سعادت حاصل ہوئی جن کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے — اور واقعہ یہ ہے کہ اس علاقے کے مسلمانوں کی سادگی اور شرافت اور غیرت وحمیّتِ دینی کے جو مناظر دیکھنے میں آئے ان کے پیشِ نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ دن ایک طرح کی جنتِ ارضی میں گذرے ہیں - راقم کا تجربہ یہ ہے کہ ان فضاؤں میں مقرر کی طبیعت میں از خود انشراح وانبساط پیدا ہوتا ہے، اور بات کہتے ہوئے خود ایک حلاوت آمیز لذت کا احساس ہوتا ہے - اور یہی رنگ ہے جو مولانا مرحوم کے ان تمام مواعظ میں بتمام وکمال موجود ہے جو اس مجموعے میں شامل ہیں - خاکسار اسرار احمد عفی عنہ'

(بقیہ :- رپورتاژ)

مجھے شدید احساس ہے کہ جنوبی ہند کا دورہ اس قدر مختصر رہا کہ نہ تو وہاں کے لوگوں کی طبیعت سیر ہوئی اور نہ ہماری —— اُمیّد ہے کہ جلد ہی دوبارہ دورہ کی نوبت آئے گی جس کے لئے وہاں کے احباب کا ابھی سے شدید تقاضہ ہے —— انڈیا ویسے بھی ہماری جنم بھومی ہے، نہ جانے کیوں دل وہاں بار بار جانے کو چاہتا ہے ؎

مشرف گرچہ شد جامی ز لطفش
خدایا آں کرم بارے دگر کن

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلّم
خیرکم من تعلّم القرآن وعلّمہ'
عن عثمان ابن عفان
رواہ البخاری

خطوط و آراء

مکتوبِ گرامی ڈاکٹر شبیر بہادر خان پنّی

دارالشفاء ایبٹ آباد ۱۲ر دسمبر ۱۹۸۱ء

محترمی شیخ جمیل الرحمٰن صاحب، السلام علیکم!

امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔ مدت کے بعد عریضہ لکھ رہا ہوں۔ اس عرصہ میں پہلے اپنی بیماری میں مبتلا رہا ہوں بعد ازاں زوجہ کی وفات سے پریشان رہا،

غرض تو ڈاکٹر صاحب محترم سے مخاطبت کی ہے لیکن اُن کی بہترین مصروفیت کے پیشِ نظر آپ کو لکھ رہا ہوں۔

قافلہ عمر ۸۴ کی منزل سے گذر رہا ہے۔ انجام کی خبر خدا جانے در بارِ خداوندی میں التجا کہ وقتِ انجام بستر پر دراز ہونے کی معذوری سے بچائے۔ آپ بھی اس پر میرے لئے آمین کہیں! "میثاق" کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے تفسیری مواعظ، نشر القرآن، الکتاب، الہدیٰ، عرض احوال، اور رپورتاژ، رُوح و قلب کی انبساط کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا طریقِ بیان، خاص کر مشاجراتِ صحابہؓ پر بڑا مدلّل، اور موثر ہوتا ہے۔ تمام شکوک و شبہات کے ازالہ کا باعث ہوتا ہے اور ہر زاویۂ نظر و فکر کے لئے باعثِ اطمینان ماہِ صفر المظفر کے شمارے میں، سانحۂ کربلا - ڈاکٹر صاحب کی زبانی، کربلا کی کہانی حضرت ابوجعفرؓ کی زبانی از قلم مولانا عطاء اللہ حنیف تو اس شمارہ کی جان ہیں — ایک سخن گسترانہ مقطع بھی۔

"میثاق" ایک موقر اردو ماہنامہ ہے۔ مذاق و مطالبۂ وقت بھی اردو زبان کے استعمال و ترویج پر مصر۔ لہٰذا رسالہ کی ترسیلی چٹ پر نام و نمبر خریدار بھی اردو ہی میں لکھے جانے چاہئیں۔

کتابت کی ایک غلطی ص ۱۴ - سطر ۵ نظر پڑی - حضرت حسینؓ کی جگہ حضرت حسنؓ ہونا چاہیئے - والسلام

طالبِ محتاجِ دُعا

شبیر بہادر خان پنّی

پرچہ پریس میں جا ہی رہا تھا کہ
صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے

وفاقی مجلسِ شوریٰ

کے ضمن میں میرے نام کا بھی اعلان فرما دیا!
نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم:
کے فرمانِ مبارک:

"اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ"

(ترجمہ: جس سے مشورہ طلب کیا جائے اسے گویا امین بنایا گیا")
کے مطابق یہ ایک بڑی امانت کا بارِ گراں ہے جو ملک و ملت کے دوسرے
بہت سے خادموں کے ساتھ ساتھ میرے کمزور و ناتواں کاندھوں پر بھی آگیا ہے
لہٰذا میں قارئین 'میثاق' سے استدعا کرتا ہوں کہ
وہ اللہ تعالیٰ سے میرے حق میں دُعا فرمائیں کہ وہ مجھے:
(۱) اس میدان کے شر اور فتنوں سے حفظ و امان میں رکھے!
(۲) ہر حال میں اور ہر وقت بلا رُو رعایت اور بلا خوفِ لومتِ لائم
کلمۂ حق کہنے کی توفیق عطا فرماتے!
(۳) اس نئی مصروفیت کا کوئی بُرا اثر میری موجودہ مساعی پر نہ پڑنے دے!

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ!

خاکسار (ڈاکٹر) اِسرار احمد عفی عنہ

میثاق کی ایجنسی

حاصل کرکے اس کی توسیع اشاعت میں ہاتھ بٹایئے

❀ 'میثاق' عام معنوں میں صرف ایک رسالہ نہیں بلکہ دعوت رجوع الی القرآن کی تحریک ہے جس کے ساتھ تعاون کی آسان ترین صورت یہ ہے کہ آپ 'میثاق' کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

❀ 'ایجنسی' اپنے عام مفہوم کے اعتبار سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دورِ جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کیلئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زرِتعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینہ ایک پرچہ کی قیمت دیکر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے "میثاق" کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔

ٹیلی ویژن کے پروگرام "الھُدیٰ" کے ذریعے

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب قرآن حکیم کی دعوت کو جس وسیع پیمانہ پر پھیلا رہے ہیں۔ اس کے ہمہ گیر اثرات پاکستان کے شہروں ہی میں نہیں قصبات اور دیہات تک پہنچ رہے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ "میثاق" کے ذریعہ اس دعوت کو مزید عام کیا جائے اور عوام الناس کو بندگیٔ ربّ، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے فرائض یاد دلا کر انہیں اجتماعی طور پر ادا کرنے کی تحریک برپا کی جائے۔ اس سلسلہ میں ہم اپنے تمام ہمدردوں اور کرم فرماؤں سے گذارش کریں گے کہ اپنے شہروں میں "میثاق" کی ایجنسی کا اہتمام فرمائیں بلکہ مزید تعاون یہ ہوگا کہ ہمارا ہر ہمدرد اور رفیق اس کی ایجنسی لیکر اس کارِ خیر میں معاون بن جائے۔

ایجنسی کی شرائط

- ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔
- کمیشن ۳۳ فی صد دیا جاتا ہے۔
- پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔
- مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی۔پی۔ روانہ کئے جاتے ہیں۔
- خریدے ہوئے پرچے واپس نہیں لئے جاتے۔

مینجر 'میثاق'

Regd. L. No. 7360

MONTHLY ,, MEESAQ ,, LAHORE

Vol. 31 JANUARY 1982 No. 1

یہ امر مسلّم ہے کہ

کوئی دینی جریدہ اصحابِ ثروت کے تعاون کے بغیر نہیں چل سکتا

کاروباری اَور صنعت کار حضرات کی

میثاق

کے ساتھ تعاون کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ

اس میں **اشتہار** شائع کرائیں

نرخنامہ اشتہارات

سرورق:

آخری صفحہ	=/۱۵۰۰ روپے فی اشاعت
دوسرا صفحہ (اندرونی)	=/۱۲۰۰ روپے 〃 〃
تیسرا صفحہ (اندرونی)	=/۱۰۰۰ روپے 〃 〃

اندرونی عام صفحات

پورا صفحہ	〃/ ۸۰۰ روپے 〃 〃
نصف صفحہ	〃/ ۵۰۰ روپے 〃 〃

نوٹ

۱ اشتہار میں نہ کوئی تصویر چھپے گی نہ دینی اعتبار سے کوئی قابل اعتراض مواد!
۲ 'میثاق' کے پورے صفحے کا سائز ۷″ × ۴″ ہے!
۳ کسی خاص ڈیزائن کے لئے پوزیٹیو فلم مشتہر حضرات کو خود فراہم کرنی ہوگی،
۴ رنگین اشتہارات میں رنگ کے لئے ۵۰ فی صد مزید معاوضہ ہوگا۔
۵ منظور شدہ ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کو ۱۵ فی صد کمیشن دیا جائے گا،
۶ خاص حالات میں مشتہر حضرات کو بھی رعائت دی جا سکتی ہے،